بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	ملک وملت کی خاطر عدل وانصاف کا دامن تھامنا ہوگا	اداریہ	3
حالاتِ حاضرہ	مدد کرو لیکن شرمندہ نہ کرو	مولانا سیف اللہ عثمانی	7
نکتۂ نظر	نظریاتی جنگ اور ہماری ناکامی	ابوتراب امینی (چارسدہ)	9
اسلامی زندگی	خدمتِ خلق............اہمیت وفضلیت	ابوسنابل مفتی سید اقبال شاہ	12
	آفاتِ صبر (پینتیسویں قسط)	مولانا ابومحمد حسان شاہ	16
	نماز کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں	مفتی ضیاء اللہ جان	20
	شعائرِ اسلام اور سننِ انبیاء علیہم السلام	جناب غلام عباس صاحب	25
	عظمتِ اسلام	مولانا عیدی امین	29
	اچھی نیند سے محروم کردینے والی عام عادتیں	مولانا امجد علی حقانی	32
دینی مدارس	معاشرہ کی تعمیر میں دینی مدارس کا کردار	مفتی محمد اسماعیل نیاز	35
دارالافتاء		مفتی حمید اللہ جان	45
خطباتِ جمعہ	دنیوی اور اُخروی پریشانیوں کا حل	مفتی غلام اللہ	47
بزمِ طلبہ	ذرا غور کیجیے!	متخصص: شہزاد مفتی حقانی	53

زرِسالانہ اندرون ملک: 300 روپے۔ زرِسالانہ بیرون ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: Muftifahim@gmail.com // atifshah336@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213 // MCB: 0284.1002564

﴿صدائے حسن﴾

ملک وملت کی خاطر عدل وانصاف کا دامن تھامنا ہوگا

عدل وانصاف کا معنی ہے مساوات وبرابری۔ کسی بھی شعبے میں عدل وانصاف ناپید ہوجائے تو وہ شعبہ تادیر قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ وہ اپنا وجود قانون اور جملہ حقوق وفرائض میں کھو بیٹھتا ہے، کیونکہ قیامِ عدل کے بغیر نہ کسی صالح معاشرے کی تشکیل ممکن ہے اور نہ کوئی نظام صحیح صورت میں نشوونما پا سکتا ہے۔ عدل وانصاف ہی سے انسانی زندگی کا لطف حاصل ہوتا ہے، جبکہ اس کے بغیر زندگی کا لطف جاتا رہتا ہے اور پورا معاشرہ دہشت ودرندگی کا مرکز بن جاتا ہے۔ اسلام ہمیں عدل وانصاف کا درس دیتا ہے، کیونکہ نہ صرف اسلام کا سارا نظام اسی پر موقوف ہے، بلکہ پوری کائنات کا نظام بھی اسی کے مرہون منت ہے۔ دیکھو! پوری کائنات کا نظام عدل وانصاف پر چل رہا ہے۔ چاند، سورج، زمین، نباتات اور ستارے سیارے سب ایک عادلانہ نظام پر کھڑے ہیں۔ مجال ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ ظلم وناانصافی کریں، اگر ناانصافی کرتے تو کائنات کا پورا توازن بگڑ جاتا۔

اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآن مجید میں عدل وانصاف کا حکم فرمایا ہے: چنانچہ ارشادِ باری ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(النساء: ۵۸)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿اِنّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنِ﴾(الحجرات:09)

”بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

غزوۂ بدر کے موقع پر قیدیوں کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہوئے تھے۔ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کیا جا رہا تھا۔ فدیہ کی رقم چار ہزار درہم تھی، لیکن امیر ترین لوگوں سے فدیہ کی رقم کچھ زیادہ لی جا رہی تھی۔ چوں کہ حضرت عباس حضور ﷺ کے چچا تھے، اس لیے چند صحابہ کرامؓ نے

عرض کیا: ''یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ عباسؓ کا فدیہ معاف کر دیا جائے۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں۔ بلکہ عباسؓ سے ان کی امیری کی وجہ سے حسب قاعدہ چار ہزار درہم سے زیادہ وصول کیے جائیں۔'' (صحیح بخاری)

اس واقعے سے رسول اکرم ﷺ نے اس طرف رہنمائی فرمائی کہ اسلام کی نظر میں رشتہ ناطہ بعد میں ہے اور قانون وانصاف پہلے ہے۔ نیز عام طور پر انسان عداوت یا قرابت کی وجہ سے بے انصافی کا شکار ہو جاتا ہے، یعنی انسان کبھی کسی قوم یا کسی فرد کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے یا پھر اپنے رشتہ دار کی وجہ سے ظلم و نا انصافی کرتا ہے۔ حالانکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''خبردار! کسی کی دشمنی تمھیں اس کے ساتھ نا انصافی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔'' (المائدۃ:۲)

قانون میں برابر ہونا چاہیے :

بخاری شریف کی روایت کے مطابق قانون کی نظر میں سب کے برابر نہ ہونے کو سوسائٹی کی تباہی اور بربادی کا سبب بتایا گیا ہے۔ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک جوڑا بدکاری میں پکڑا گیا، یہودی مقدمہ لے کر حضور ﷺ کی عدالت میں آئے، چنانچہ دونوں پر بدکاری کا جرم ثابت ہو گیا۔ آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا: یہ بتاؤ کہ تمھارے ہاں اِس جرم کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ہمارے ہاں اس جرم کی سزا یہ ہے کہ دونوں کے منہ کالے کیے جائیں اور گدھے پر بٹھا کر پورے شہر کا چکر لگایا جائے اور ساتھ مار پٹائی بھی کی جائے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ (جو پہلے یہودی علما میں سے تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے) سے پوچھا: کیا تورات میں اس جرم کی سزا یہی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ لوگ غلط بیانی کر رہے ہیں، کیونکہ تورات میں یہ سزا نہیں ہے، بلکہ یہ سزا انہوں نے خود گھڑ لی ہے، تورات میں رجم یعنی سنگساری کی سزا ہے، لیکن جب ان لوگوں نے اصرار کیا کہ تورات میں یہی لکھا ہوا ہے جو ہم نے بتایا ہے تو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تورات لے کر آؤ۔ چنانچہ مجلس میں تورات لائی گئی اور یہودی عالم سے کہا گیا کہ اس جرم کی سزا پڑھ کر سناؤ، اس نے اس سزا کے متعلق آیتیں اس طرح پڑھیں کہ درمیان کی آیت چھوڑ دی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اس کی خیانت پکڑ لی اور کہا: ''یا عدو اللہ! اقرأ ھذا'' (کہ اے اللہ کے دشمن! یہ بھی تو پڑھ، یہ کیا لکھا ہوا ہے)۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے بتایا کہ یا رسول اللہ! تورات میں اس جرم کی

اصل سزا تو رجم ہی تھی، لیکن جوں جوں زمانہ بدلا، یہودی علما نے اس سزا کے اطلاق میں خیانت کرنا شروع کر دی کہ جب کوئی غریب آدمی اس جرم میں پکڑا جاتا تو اسے سنگسار کر دیتے، لیکن کوئی امیر اور صاحب ثروت آدمی پکڑا جاتا تو اس کو نرم سی سزا دے کر خانہ پوری کر دیتے۔

معزز قارئین کرام! ماقبل نصوص اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصاف چین وسکون کا سبب ہے، جبکہ ناانصافی، ظلم وجبر بے چینی اور بغاوت کی جڑ ہے۔ جس گھر میں انصاف ہوگا، اس گھر میں سکون و اطمینان ہوگا، خوشحالی ہوگی، سلوک واتفاق کے ساتھ ساتھ محبت والفت کے چشمے رواں ہوں گے۔ اور جہاں ناانصافی ہوگی، وہاں بے رونقی وبے سکونی ہوگی حتی کہ وہاں کی ہوا وفضا بے کیف ہوگی اور وہاں کا پانی بھی بد ذائقہ ہوگا۔ اولاد نافرمان ہوگی، لڑائی جھگڑے عام ہوں گے، گھروں میں ہر وقت چیخ چیخ ہوگی۔ یہی اصول ایک خاندان، ایک قبیلے اور پھر ایک ریاست پر بھی کارفرما ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر ہم اپنے ماحول پر نظر ڈالیں تو عام آدمی سے لے کر مقتدر اداروں کے سربراہان تک تقریباً ہر ایک میں عدل وانصاف کی ادنیٰ جھلک بھی نظر نہیں آئے گی۔ نیز افسوس اس بات پر ہوتا ہے کہ ''عدلیہ'' عدل سے مشتق ہے، جس کے ساتھ پوری قوم کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ ہمیں یہیں سے تو ضرور انصاف ملے گا، لیکن وطن عزیز کے عدلیہ نظام کی بے انصافی اور جانبدارانہ کردار پر بھی انگلیاں اُٹھتی ہیں۔ لوگوں کی آنکھیں عدل وانصاف پر مبنی فیصلوں کی طرف ترستی ہیں، لیکن ناامیدی اور یاس کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔ کیونکہ یہاں غریب اور پرایوں کے لیے الگ، جبکہ مالدار اور لاڈلوں کے لیے الگ قانون کا دور دورہ ہے، جس کی وجہ سے ہر طرف افراتفری، بے چینی، دہشت، خوف وہراس، مہنگائی اور عدم استحکام کی فضا چھائی ہوئی ہے۔ جب تک ناانصافی اور ظلم وجبر کا سلسلہ جاری رہے گا تو تب تک اس سرزمین پر چین، سکون اور امن وامان کا خواب دیکھنا بھی ناممکن ہوگا، بلکہ وقتاً فوقتاً یہ ملک مزید مشکلات کے دلدل میں پھنستا چلا جائے گا اور پھر وہاں سے واپس نکلنا شاید ہی ممکن ہو۔

اگر اس ملکِ پاکستان میں استحکام اور ترقی دیکھنا ہو تو عدل وانصاف کا دامن تھامنا ہوگا اور آئین وقانون کے ساتھ یتیمانہ سلوک اور امتیازی رویہ ترک کرکے امیر وغریب سب پر اس کو لاگو کرنا ہوگا۔ اگر آپ ریاست کی بقا کے داعی ہیں تو پھر خاموشی توڑنی ہوگی اور انصاف مانگنا ہوگا، عدل کرنا ہوگا، اداروں کو

عادلانہ نظام دینا ہوگا اور نظام عدل کا احترام کرنا ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بصیرت عطا فرمائے اور ساتھ ساتھ وطنِ عزیز کو غداروں اور دشمنوں سے نجات دلا کر اس ملک میں عدل وانصاف پر مبنی سیاسی ، معاشی ،معاشرتی ،مذہبی اور قانونی بالادستی عطا فرمائے۔آمین!

دینِ متین کی نشر واشاعت اور اسلامی صحافت کی ترویج میں

"ماھنامہ ندائے حسن چارسدہ" کا ساتھ دیجیے!!

مدیر مسؤل: مفتی حمید اللہ جان

☆......علوم قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کا علم بردار

☆......علماء دیوبند اور اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد ونظریات کا پرچار

☆......جدید فقہی وعلمی تحقیقات سے امت مسلمہ کی آگاہی

☆......اسلامی تہذیب وثقافت کی حفاظت

☆......نوجوان نسل کی صحیح فکری رہنمائی اور عصری چیلنجوں کے مقابلے کے لیے ان کی تیاری

☆......مغربی میڈیا کا مقابلہ اور اسلامی صحافت کی ترویج

☆......الحاد وزندقہ ،انکار ختم نبوت ،انکار حدیث اور دیگر عصری فتنوں کا مقابلہ

☆......فرقہ واریت اور علاقائی ولسانی تعصّبات کے خاتمے کی جدوجہد

☆......عالم اسلام اور حالاتِ حاضرہ کا تعمیری تجزیہ

دینِ متین کی نشر واشاعت میں ماہنامہ ندائے حسن کا ساتھ دینے کے لیے آپ خود بھی اس کے قاری بن جائیں اور اپنے اعزہ واحباب کو بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیں۔ہوسکتا ہے کہ ہماری اور آپ کی دعوت سے کسی مسلمان بھائی وبہن کو قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور زندگی سنوارنے کا موقع مل جائے اور ہم اس کے نیک اعمال میں برابر کے حصہ دار بن جائیں!

مستقل قاری بن کر آپ صرف **300** روپے سالانہ میں گھر بیٹھے ماہنامہ ندائے حسن کا شمارہ پڑھ سکتے ہیں۔آج ہی اپنا نام اور ڈاک پتہ بھیج کر اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

﴿حالاتِ حاضرہ﴾

مدد کرو لیکن شرمندہ نہ کرو

مولانا سیف اللہ عثمانی

حالیہ دنوں میں مملکتِ خداداد کو ایک قدرتی آفت (سیلاب) کا سامنا ہے۔تقریباً ملک کے ہر صوبے میں سیلاب نے کافی تباہی مچادی ہے۔کہیں کچے مکانات تو کہیں بڑے بڑے فائیو اسٹار ہوٹل سیلاب کی نذر ہوگئے ہیں۔سندھ، بلوچستان، پنجاب اور خیبر پختون خواہ کے ساتھ ساتھ گلگت بلتستان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا ہے۔بڑے دل خراش اور رُلا دینے والے مناظر بھی دیکھنے میں آئے، لیکن قدرت کے سامنے ساری مشینریاں بےبسی کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔

وطنِ عزیز کے جو علاقے سیلاب کی آفت سے بچے تھے تو وہاں کے غیور عوام اور خواص نے اپنی مدد آپ کے تحت ان متاثرین کی خوب باز پرس کی اور ان کے ساتھ اس دکھ کی گھڑی میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے رہے۔کہیں راشن کا انتظام تو کہیں رہنے سہنے کا انتظام سنبھال رہے تھے۔فلاحی ادارے بھی چاہے انصار الاسلام ہو، چاہے الخدمت فاؤنڈیشن ہو، چاہے عثمانیہ ویلفئر ٹرسٹ ہو، چاہے البرہان ہو یا کوئی اور ٹرسٹ ہو؛ سب نے اپنا لوہا منوایا اور خوب خدمت میں لگے رہے اور تا حال وہ اپنی ان کاوشوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نیک کاوشوں کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

لیکن دوسری طرف اگر ہم دیکھیں تو ہر ایک اپنی ان کاوشوں کی قلمبندی کرتا ہے اور سوشل میڈیا کی زینت بنا دیتے ہیں، اگر ان کی یہ نیت دوسروں کے نیک عمل کی طرف ابھارنے پر ہے تو یہ الگ بات ہے، ورنہ بظاہر یہ نیک کاوش کو اپنے ہی ہاتھوں سے ضائع کردینے کے مترادف ہے۔کسی حد تک تو یہ قلمبندی قابلِ برداشت ہے، لیکن متاثرین کو کہیں صابن پکڑا کر تصویر کھینچنا تو کہیں بریانی کی عکسبندی کرنا، میرے خیال میں شرمندگی کے سوا کچھ نہیں۔چارسدہ کی ایک غیور خاتون نے ان سب کی بولتی بند کردی تھی۔اس نے کہا کہ ایک لاکھ مجھ سے لو اور اپنی ماں بہن کے چہرے کو ننگا کر کے تصویر کھینچو۔اس بہن کی یہ پکار ہم سب کے منہ پر طمانچہ

ہے۔ یہ ایک قدرتی آفت تھی۔

۲۰۱۰ء میں بھی سیلاب نے ہر طرف تباہی مچادی تھی۔ اسی اثنا میں دار العلوم کراچی کے سعد بن معاذؓ ٹرسٹ نے صرف ضلع چارسدہ میں کئی سو مکان تعمیر کرا کے اور صاف پانی کے لیے کئی سو بور کیے اور اس وقت یہ ٹرسٹ جامعہ حسن چارسدہ کی معاونت سے کام کر رہا تھا، لیکن انہوں نے کبھی بھی لوگوں کے پوشیدہ رازوں کو ظاہر نہیں کیا۔ میرے خیال میں ہمارے لیے یہی مخلص لوگ مشعل راہ اور آئیڈیل ہونے چاہیے، ورنہ ان سب متاثرین کے منہ سے یہی الفاظ نکلیں گے کہ ''خدارا! امداد کرو لیکن شرمندہ نہ کرو۔'' وما توفیقی الا باللہ۔

ماہنامہ ندائے حسن کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ ''ندائے حسن چارسدہ'' کی اشاعت خالص تبلیغی اور اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی اور کاروباری مفاد اس کی اشاعت سے مطلوب نہیں۔ چنانچہ مہنگائی کے باوجود 56 صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ 30 روپے اور سالانہ خریداری صرف 300 روپے) ہے۔

افادۂ عام کی خاطر ہم ''ماہنامہ ندائے حسن'' کے ذریعے بیش بہا قیمتی مضامین شائع کرتے ہیں، اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم بذریعہ ڈاک یا اکاؤنٹ جامعہ حسن چارسدہ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے! سالانہ قیمت کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے۔ لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ خریداری کی مدت ختم ہوتے ہی سالانہ قیمت کی ادائیگی کا اہتمام فرمادیا کریں۔ ہر ماہ لفافے پر چسپاں پتے کے ساتھ خریداری مدت کے ختم ہونے کی تاریخ بھی دی جاتی ہے تاکہ یاددہانی ہو سکے۔ (ملاحظہ: سالانہ خریداری کی رقم اس ایزی پیسہ اکاؤنٹ کے ذریعے بھی بھجوا سکتے ہیں: 0310-9014616)

﴿نکتہ نظر﴾

نظریاتی جنگ اور ہماری ناکامی

ابوتراب امینی (چارسدہ)

قوموں کی تاریخ ان کا حافظہ ہوتی ہے۔مستقبل کی نقشہ کشی ماضی کے تجربے کی روشنی میں ہی ہوتی ہے،کوئی قوم اپنے ماضی سے کٹ کر نہ اپنا حال بنا سکتی ہے اور نہ اپنے مستقبل کی نقشہ کشی کر سکتی ہے۔غیروں کے ماضی سے کسی کا مستقبل نہیں بنا کرتا،کسی اور کے حافظے سے آپ اپنا راستہ نہیں تلاش کر سکتے،لہٰذا انگلستان کا ماضی ہو یا امریکہ کا یا کسی اور ملک کا ہو۔وہ ایک دلچسپ تاریخی روداد تو ہوسکتی ہے،اس سے جزوی استفادہ تو ہو سکتا ہے،لیکن اپنے ماضی کو نظر انداز کر کے اور اپنے ماضی کو جھٹلا کر محض دوسروں کے ماضی کی بنیاد پر اپنے مستقبل کی تعمیر کا خواب دیکھنا خام خیالی ہے۔بقولِ اقبالؒ

اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگِ مرمر پے چلو گے تو پھسل جاؤ گے

اغیار کی تقلید نے ہمیں نظریاتی غلام بنا رکھا ہے،جیسے کرکٹ کی مثال لیجیے،جن جن ممالک کو برطانیہ نے قبضہ کیا تھا،وہ وہاں اپنے ساتھ کرکٹ لے گئے،جیسے: برصغیر پاک و ہند،جنوبی افریقہ،آسٹریلیا،ویسٹ انڈیز وغیرہ،عموماً جتنی بڑی ٹیمیں آج کل کھیل رہی ہیں،وہ سب برطانوی غلام رہ چکے ہیں۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ کرکٹ برطانیہ میں شروع ہوئی،ان کے پڑوسی ممالک میں عام ہونی چاہیے تھی،لیکن وہ غیرت کی وجہ سے کرکٹ نہیں کھیلتے،کیونکہ یہ غلاموں کا کھیل ہے۔اسی کرکٹ نے ہمیں مجنون بنا رکھا ہے۔فروری،مارچ میں عموماً امتحانات کی تیاریاں ہوتی ہیں،پاکستان کرکٹ بورڈ PSL (ملکی ٹورنامنٹ) شروع کر کے پوری قوم کو کرکٹ میں مصروف کر دیتا ہے۔غلامی کی علامت کو باعثِ عزت سمجھنا نظریاتی غلامی نہیں تو اور کیا ہے؟

پاکستان بناتے وقت ایک ہی آواز نے ہندوستان میں بھونچال بھرپا کیا تھا،وہ نعرہ تھا:''پاکستان کا مطلب کیا؟......لا الہ الا اللہ''۔کیا آج ہم اسی پاکستان میں جی رہے ہیں،جس کی بنیاد کا خمیر مجدد الف ثانیؒ کے

دور میں گوندھا گیا تھا، جس کی کھدائی کا کام شاہ ولی اللہؒ کی تحریکوں سے شروع ہوا تھا، جس کا تصور علامہ محمد اقبال نے دیا تھا، کیا یہ وہی مقدس سرزمین ہے، جس کے لیے 15 لاکھ مسلمانوں نے جانوں کے نذرانے دیے،، ڈیڑھ کروڑ مسلمان خاندان سمیت کل مال و متاع ہندوستان میں چھوڑ کر پاکستان آئے تھے؟ جس کو حاصل کرنے کے ناطے قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے دن رات ایک کر دیے تھے۔ آج تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان آنسوؤں کی ہم نے ناقدری کی جو پاکستان کے لیے بہائے گئے تھے، خون کے دریا بہائے گئے، لیکن فصل سیراب نہ ہو سکی، جگر کے ٹکڑے قربان کر دیے گئے، لیکن اس پاکستان میں اسلام یتیم ہوتا جا رہا ہے۔

اور تو اور ہمارے وزیر اعظم بھی اپنی تاریخ سے اتنے بے خبر کہ مالِ غنیمت کو لوٹ مار کہہ گئے، حالانکہ مالِ غنیمت اس امت کا خاصہ ہے، غزوۂ بدر جو اسلام کی تاریخ میں ایک درخشاں مثال ہے، ہمارے وزیر اعظم صاحب کو اس میں بھی عیوب نظر آنے لگے۔ ان سے سرزد ہونے والی غلطی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے نظامِ تعلیم میں اصلاحات اور بنیادی اسلامی تعلیمات کی شمولیت کی کس قدر ضرورت ہے۔

اگر اسی طرح ہم اپنی تاریخ بھولتے رہے تو ہماری مثال بھی ہسپانیہ کی طرح ہوگی، جہاں آٹھ سو سالہ اسلامی حکومت گزرنے کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات کے علاوہ اسلامی تہذیب کے نقوش کا کوئی اثر نہیں مل رہا، آزادئ پاکستان کے 75 سال پورے ہو چکے ہیں، اس مدت میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ یہ حساب و کتاب کرنا ہوگا، ورنہ خدانخواستہ اسلام کے نام پر بننے والا پاکستان کہیں یتیم اسلام نہ بن جائے۔ 75 سال بعد پھر نئے جوش اور جذبے کے ساتھ پاکستان کی فضا کو اصغر چغتائی کی نظم سے معطر کرنا ہوگا کہ

جرأت کی تصویر ہے تو　　بہت عالمگیر ہے تو
دنیا کی تقدیر ہے تو　　آپ اپنی تقدیر بنا
پاکستان کا مطلب کیا؟　　لا الہ الا اللہ
تجھ میں خالد کی لہو　　تجھ میں طارق کی نمو
شیر کے بیٹے شیر ہے تو　　شیر بن اور میدان میں آ
پاکستان کا مطلب کیا؟　　لا الہ الا اللہ

پوری دنیا کو پیغام دینا ہوگا کہ پوری پاکستانی قوم سبز ہلالی جھنڈے تلے ایک ہی نظام کے متوالے ہیں، شمالی علاقہ جات کے برف پوش پہاڑیوں سے لے کر گوادر کے گہرے پانیوں تک، کشمیر کی حسین وادیوں سے لے کر کراچی کے دل ربا ساحلوں تک، پنجاب کے لہلہاتی کھیتوں سے لے کر درۂ خیبر کی سنگلاخ چٹانوں تک، وادئ فاران کی وفا شعار مٹی سے لے کر بلوچستان کی جفاکش فضاؤں تک؛ پوری امت ایک ہی نظام کی متلاشی ہے، وہ نظام کیا ہو؟......یہی کہ پاکستان کا مطلب کیا؟......لا الہ الا اللہ''۔

ہمارے پڑوس میں افغان طالبان اپنے نظریئے پر ڈٹے رہے، 21 سالوں میں 14 لاکھ نفوس کی قربانی دی، لیکن ان کی فتح سے اسلام سربلند ہوا، بدر کی یاد تازہ ہوئی۔ ایک مرتبہ پھر ثابت ہوا کہ ؎

فقد داستان سننے سے ،کہا تم عشق جانو گے
یہاں بے رحم موجیں تو، دلوں کو چیر دیتی ہیں

آدھی رات فیس بک اور نصف دن ارطغرل غازی کی داستان دیکھنے سے امتیں نہیں بنتیں۔ اپنی حیثیت برقرار رکھنے کے لیے نظریاتی جنگ میں تن، من، دھن کی بازی لگانی پڑے گی۔ ؎

یہ خاموش مزاجی تمہیں جینے نہیں دے گی
اس دور میں جینا ہے تو کہرام مچا دو

ان لذتوں سے اُکتاہٹ نہیں ہوتی

مامون رشید نے ایک دن حسن بن سہیل سے کہا:

''میں نے دُنیا کی تمام لذتوں پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہر ایک لذت ایسی ہے، جس سے انسان کسی نہ کسی وقت اُکتا جاتا ہے، لیکن سات لذتیں ایسی ہیں، جن سے کبھی اُکتاہٹ نہیں ہوتی: گندم کی روٹی، بکری کا گوشت، ٹھنڈا پانی، ملائم کپڑا، خوشبو، گداز بستر اور ہر قسم کے حسن کو دیکھنا۔''

حسن بن سہیل نے کہا: ''امیر المؤمنین! ایک چیز رہ گئی اور وہ ہے لوگوں سے بات چیت!'' مأمون نے اس کی تصدیق کی۔ (محمد تقی عثمانی: تراشے:۹۵)

﴿اسلامی زندگی﴾

خدمتِ خلق......احادیث کی روشنی میں اہمیت وفضیلت

ابوسنابل مفتی سید اقبال شاہ

دنیا کے تمام مذاہب نے بڑی تاکید اور بلاتفریق انسانوں کی خدمت اور اُن سے ہمدردی کی تلقین کی ہے، کیونکہ خدمت اور ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا ان کی تعلیمات کا حصہ ہوتا ہے، لیکن یہی خدمت اور حاجت روائی اسلام کی شان وشعار اور مسلمانوں کا بنیادی وصف ہے۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات اور حکایات سے بھری پڑی ہے، جن میں خود نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو سخت مشقت اور مشکل میں صرف اس لیے ڈالا گیا ہے کہ دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ خیر خواہی ہوجائے اور اس کی حاجت روائی ہوجائے۔اسی میں انسان کی معراج ہے، بلکہ انسان ہی وہی ہے جو دوسروں کا ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔

تمام عبادات اور احکامات سے پہلے حضور ﷺ کی جو نمایاں صفت اور خوبی بیان ہوئی ہے، وہ یہی ہے کہ آپ ﷺ دوسروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں، لوگوں کی حقیقی حادثات اور مصائب میں ان کی مدد کرتے ہیں۔خلاصہ یہ کہ کمزور طبقات کی خدمت اور ان کا سہارا بننا، گرتے ہوئے کو تھامنا اور تلخ اوقات میں لوگوں کو ڈھارس دینا بڑی عبادت ہے۔

احادیث نبوی کی روشنی میں خدمتِ خلق کی اہمیت وفضلیت:

مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے:

عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله ﷺ: إن الله تعالیٰ يقول يوم القيامة: يا ابن آدم! مرضت فلم تعدنی، قال: يا رب! كيف أعودك وأنت رب العالمين؟ قال: أما علمت أن عبدی فلانًا مرض فلم تعده؟ أما علمت أنك لو عدته لوجدتنی عنده، يا ابن آدم! استطعمتك فلم تطعمنی، قال: يا رب!

كيف أطعمك وأنت رب العالمين؟ قال: أما علمت أنه استطعمك عبدي فلان فلم تطعمه، أما علمت أنك لو أطعمته لوجدت ذلك عندي، يا ابن آدم ! استسقيتك فلم تسقني، قال: يا رب! كيف أسقيك، وأنت رب العالمين؟ قال: استسقاك عبدي فلان فلم تسقه، أما علمت أنك لو سقيته لوجدت ذلك عندي. (رواه مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ اے ابن آدم! دنیا میں میں بیمار تھا، لیکن تم نے میری عیادت و بیمار پرسی نہیں کی۔ انسان اس کے جواب میں کہے گا کہ باری تعالیٰ! آپ تو سارے جہانوں کے رب ہیں (یعنی بیماری آپ پر نہیں آتی) تو میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا، لیکن اس کے باوجود تو اس کی بیمار پرسی کے لیے نہیں گیا، اگر تو اس کے پاس جاتا تو مجھے وہاں پالیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، لیکن تو نے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: اے رب العالمین! میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، اگر تو نے اس کی حاجت پوری کی ہوتی تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھ سے پانی مانگا، لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ انسان عرض کرے گا: اے دونوں جہانوں کے پروردگار! (تو کب پیاسا تھا) میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے اس کی پیاس بجھانے سے انکار کیا تھا، اگر تو نے اس کی پیاس بجھائی ہوتی تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول صرف عبادات میں نہیں، بلکہ یہ رضا اور خوشنودی اللہ کے بندوں کی خدمت اور فلاح و بہبود سے بھی حاصل ہوتی ہے، بلکہ خدمتِ خلق اُخروی نجات کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کی ایک مصیبت کو دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی

قیامت کی پریشانیوں اور مصائب میں ایک بڑی مصیبت کو دور فرمائے گا۔

آخرت کے مصائب اور مشکلات کے مقابلے میں دنیا کے مصائب اور مشکلات کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتے۔لہٰذا اگر کوئی شخص آخرت کے مشکلات کو ختم یا کم کرنا چاہے تو دنیا میں لوگوں کی مشکلات آسان کرنے کا اہتمام اور انتظام کرے، بلکہ یہ کام صرف اخروی اعتبار سے فائدہ مند اور سود مند نہیں، بلکہ اس کا اثر دنیا کے کاموں پر بھی ہوتا ہے، یعنی دنیا میں کسی کی مشکل آسان کرنا اور اس کے کام آجانا، اپنے لیے بند دروازوں کا کھولنا ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

وعن ابن عمرَ رضى اللّٰهُ عنهما: أَن رسولَ اللّٰه ﷺ قَالَ: المسلمُ أَخو المسلم، لا يَظلِمُه، ولا يُسلِمُهُ، ومَنْ كَانَ فِي حاجةِ أَخيهِ كانَ اللّٰهُ فِي حاجتِهِ، ومَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسلمٍ كُرْبةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بها كُرْبةً مِنْ كُرَبِ يوم القيامةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يومَ الْقِيامَةِ.(مُتَّفَقٌ عَلَيهِ).

ترجمہ:عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو چھوڑتا ہے۔اور جو اپنے بھائی کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرنے میں لگا ہوتا ہے، جو اپنے کسی مسلمان کی پریشانی دور کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس سے قیامت کی پریشانیوں میں سے کوئی پریشانی دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب پر پردہ ڈالے گا"۔

اب کسی مسلمان بھائی کی حاجت روائی کے لیے یہ لازمی نہیں کہ بڑا صدقہ کرے، بڑی رقم خرچ کرے یا اس کا کوئی بھی مشکل کام اکیلے خود آسان کرے۔ایسا ہرگز نہیں، بلکہ کسی بھی درجے میں، کسی بھی طرح کی مدد اور تعاون عظیم نیکی ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے:

عن أبي هريرةؓ عن النبي ﷺ قال: "لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ، فِي

شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ، كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ".

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں ہر طرف (نعمتوں کے مزے) لوٹ رہا تھا، (کیونکہ) اس نے راستے کے درمیان سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا، جو لوگوں کو اذیت دیتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أربعون خصلة أعلاهن منيحة العنز، ما من عامل يعمل بخصلة منها رجاء ثوابها وتصديق موعودها، إلا أدخله الله بها الجنة"، قال حسان: فعددنا ما دون منيحة العنز، من رد السلام، وتشميت العاطس، وإماطة الأذى عن الطريق ونحوه، فما استطعنا أن نبلغ خمس عشرة خصلة. (صحيح البخاري، الرقم: 2631)

یعنی چالیس نیک عادات ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ خصلت کسی کو دودھ پینے کے لیے بکری دے دینا ہے، جو شخص بھی ان میں سے کسی ایک خصلت اور عادت پر ثواب کی امید سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے عمل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جنت میں ضرور داخل فرماتا ہے۔

اسلام کی سنہری تعلیمات ہمیں نہ صرف یہ درس دیتی ہیں، بلکہ ہمیں پابند کرتی ہیں کہ مشکل کی اس گھڑی میں اپنے ان بھائیوں کی مدد کریں جو اس وقت شدید بارشوں اور سیلاب کے باعث بدترین تباہی اور معاشی بدحالی کے شکار ہیں۔ ہم سب مل کر انسانیت اور ایثار و ہمدردی کے اُن جذبات کا عملی اظہار کریں جو ہمارے اسلام کا شعار اور ہمارے دین اور تہذیب کے اقدار کا آئینہ دار ہیں۔ یہی اتحاد، اخوت اور اجتماعیت ہمارے قومی وملی مزاج کی روح ہے۔

علوم نبوت

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ کپڑوں کا صاف ستھرا ہونا، ہمت بلند تر ہونا اور شرافت کی باتوں کا خیال رکھنا علوم نبوت کا حصہ ہے۔ (محاسن اسلام: دسمبر 2010ء، صفحہ: ۱۴)

﴿اسلامی زندگی﴾

آفاتِ صبر

(پینتیسویں قسط)

مولانا ابومحمد حسان شاہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

صبر کرنے پر حیرت انگیز انعامات اور فضائل:

صبر کرنے پر انسان کو کیا انعام ملے گا؟ کیا اجر وثواب ملے گا؟ آیئے ذرا قرآن کھول کر دیکھیے کہ یہ اجر کیا ہوگا، یہ حد اور شمار سے باہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصَّابِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾(الزمر: ۱۵)

بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر پورا پورا دیا جائے گا بغیر حساب اور شمار کے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اتنے واقعات کا بیان فرمایا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران ہو جاتا ہے۔ چند مثالیں سن لیجیے:

(۱) اللہ تعالیٰ اہلِ صبر کے ساتھ ''محبت'' کا اظہار کرتے ہیں۔ فرمایا:

﴿وَاللّٰہُ یُحِبُّ الصَّابِرِیْنَ﴾(آل عمران: ۱۴۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کے پچھلے حصے میں حوصلہ افزائی اور تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کرام اور ان کے پیرو کاروں کے صبر اور ثابت قدمی کی مثالیں دی جا رہی ہیں۔

(۲) اہلِ صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت یعنی ہم رکابی کا اعلان فرمایا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ﴾(البقرۃ: ۱۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

انسان کی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں: آرام وراحت (نعمت) یا تکلیف و پریشانی۔نعمت میں شکرِ الٰہی کی تلقین اور تکلیف میں صبر اور اللہ تعالیٰ سے استعانت کی تاکید ہے اور نتیجے میں معیت ونصرت کا اعلان ہے۔

حدیث میں ہے: ''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے اسے خوشی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، دونوں ہی حالتیں اس کے لیے خیر ہیں''۔

(مسلم، کتاب الزہد والرقاق باب المومن أمرہ کلہ خیرٌ ،حدیث:۲۹۹۹)

(۳) ارشاد ربانی ہے، اہلِ صبر کو کہا کہ یہ صبر تمہارے لیے بہتر ہے۔چنانچہ فرمایا:

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِيْنَ﴾(النحل:۱۲۶)

(۴) صبر توفیقِ الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ارشاد باری ہے:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾(النحل:۱۲۷)

آپ صبر کریں بغیر توفیقِ الٰہی کے آپ صبر کر ہی نہیں سکتے۔گویا صابر انسان توفیقِ الٰہی کے ساتھ اعمال کرتا ہے۔

(۵) صبر پر بہترین اجر کا اعلان کیا ہے۔فرمایا کہ ہم صبر پر بہترین اجر عطا کریں گے:

﴿وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(النحل : ۹۶)

اور جو لوگ (وفائے عہد وغیرہ احکامِ دین پر) ثابت قدم ہیں، ہم ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔(معارف القرآن)

(۶) پچھلی قوموں کی مثالیں بھی دیں کہ انہوں نے صبر کیا تو انہیں کتنا انعام ملا۔فرمایا:

﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾(الاعراف :۱۲۸)

ترجمہ:اور کہا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

یہ اللہ تعالیٰ کے نبی علیہ السلام کی طرف سے ان کو حکم دیا گیا تھا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو کتنے انعامات سے نوازا۔فرمایا:

﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا﴾(الاعراف :۱۳۷)

ترجمہ: اور بنی اسرائیل کے بارے میں تمہارے رب کا نیک وعدہ پورا ہوا، ان کے صبر کے

باعث۔

اس آیت میں وعدہ سے مراد وہی ہے جو سورۂ اعراف کی آیت نمبر 128 میں اس سے قبل سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زبانی فرمایا گیا ہے کہ:

''سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا سہارا حاصل کرو اور صبر کرو۔ یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے وہ مالک بنادے۔ اخیر کامیابی انہی کی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں''۔

جب فرعون کی طرف سے دوبارہ اس ظلم کا آغاز ہوا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد حاصل کرنے اور صبر کرنے کی تلقین کی اور تسلی دی کہ اگر تم صحیح رہے تو زمین کا اقتدار بالآخر تمہیں ہی ملے گا۔ سورۂ قصص میں بھی اسی وعدے کا ذکر ہے:

﴿وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ (القصص)

ترجمہ: ہم چاہتے ہیں کہ ان پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے جاتے ہیں اور ان کو پیشوا اور ملک کا وارث بنائیں اور ملک میں ان کو قوت وطاقت دیں اور فرعون وہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں۔ جس سے وہ ڈرتے ہیں۔

اور یہ فضل واحسان اس صبر کی وجہ سے ہوا جس کا مظاہرہ انہوں نے فرعونی مظالم کے مقابلے میں کیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ (النحل)

ترجمہ: جن لوگوں نے فتنوں میں ڈالے جانے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کا ثبوت دیا، بے شک تیرا پروردگار ان باتوں کے بعد انہیں بخشنے والا اور مہربانیاں کرنے والا ہے۔

یہ مکہ کے ان مسلمان کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے

رہے، بالآخر ہجرت کر کے سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے۔ پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی کا مرحلہ آیا تو مردانہ وار لڑے اور جہاد میں بھر پور حصہ لیا اور پھر اس راہ کی شدتوں اور المناکیوں کو صبر کے ساتھ برداشت کیا۔ ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لیے غفور و رحیم ہے۔

بغیر حساب کے اجر:

فرمایا: جو انسان صبر کرتا ہے، اُسے بغیر حساب کے اجر ملتا ہے۔

﴿اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ۱۵)

ترجمہ: صبر کرنے والوں ہی کو ان کا پورا پورا بے شمار اجر دیا جاتا ہے۔

سلیمان بن قاسمؒ فرماتے ہیں کہ ہر عمل کا اجر معلوم ہے سوائے صبر کے کہ بندے کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں صبر پر بندے کو کیا اجر عطا فرمائیں گے۔ (بحوالہ انمول حدیث)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایمان وتقویٰ کی راہ میں مشکلات بھی ناگزیر اور شہوات ولذاتِ نفس کی قربانی بھی لابدی ہے، جس کے لیے صبر کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے صابرین کی فضیلت بھی بیان کردی گئی ہے کہ ان کو ان کے صبر کے بدلے میں اس طرح پورا پورا اجر دیا جائے گا کہ اُسے حساب کے پیمانوں سے ناپنا ممکن ہی نہیں ہوگا۔ یعنی ان کا اجر غیر متناہی ہوگا، کیونکہ جس چیز کا حساب ممکن ہو، اس کی تو ایک حد ہوتی ہے اور جس کی کوئی حد اور منتہا نہ ہو، وہ وہی ہوتی ہے، جس کو شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ صبر کی یہ وہ عظیم فضیلت ہے جو ہر مسلمان کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

چور کے لیے دُعا

حضرت ربیع بن خثیمؒ مشہور محدث اور ولی اللہ ہے، عبادت و زہد میں اپنی نظیر آپ تھے۔ ایک مرتبہ ان کا گھوڑا چوری ہوگیا، لوگوں نے کہا کہ چور کے لیے بددعا کردیجیے۔ حضرت ربیعؒ نے فرمایا: نہیں! میں اس کے لیے یہ دعا کررہا ہوں کہ اگر وہ مالدار ہے تو اللہ اس کے دل کی اصلاح کردے اور اگر وہ تنگدست ہے تو اسے خوشحالی عطا فرمائے۔" (تراشے: ۸۹، بحوالہ حلیۃ الاولیاء)

﴿اسلامی زندگی﴾

نماز کی اہمیت اور ہماری کوتاہیاں

مفتی ضیاءاللہ جان

ایک تو نظامِ خداوندی ہے کہ نماز کا مقام اور مرتبہ جتلانے کے لیے کن کن عبارتوں اور پیرایوں سے کام لیا، کہیں کلامِ پاک میں اس کا تاکیدی حکم دیا اور بار بار ایمان کے بعد اس حکم کو دہرایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف پہلوؤں سے اس (نماز) کو اجاگر کیا۔ چنانچہ اس کو قیامت کے دن سب سے پہلے حساب کتاب کا عمل ٹھہرایا اور دنیا و آخرت دونوں میں اعمال کی درستگی اور نجات کا ذریعہ اس کو قرار دیا، صحابہ کرامؓ نے نماز کو عملاً سیکھا اور سکھایا۔ مزید برآں بزرگانِ دین نے اس کے بنانے میں اپنے تنوں کو تھکایا، اگر مال و دولت رکاوٹ بنے تو ان کو قربان کیا۔ فقہاء کرام نے اس کے ہزاروں مسائل کو الگ سے ابواب اور فصلوں میں اپنی اپنی حیثیت سے ذکر فرمایا۔ اطباء نے اس (نماز) کے انسانی جسم پر مفید اثرات کا تذکرہ کیا اور ایک ہم ہیں کہ اپنے اپنے دنیوی یا دینی کاموں کی حیثیتوں کا سہارا لے کر نماز کی اہمیت میں درجہ بدرجہ کمی کے مرتکب بن رہے ہیں۔ کوئی دنیا کمانے کو اہم فریضہ سمجھ کر نماز کو چھوڑ دیتے ہیں یا قضا کر دیتے ہیں تو کوئی اپنے آپ کو دین کا خدمت گزار سمجھ کر نماز کو اعلیٰ سے ادنیٰ وقت میں لے جانے کی جرأت کر بیٹھتا ہے اور یا جماعتِ ثانیہ کا سہارا لے کر جماعتِ اولیٰ (پہلی جماعت) کو بڑی لاپرواہی سے چھوڑ دینے کی ہمت کرتا ہے۔ حالانکہ جس قدر بھی دینی محنتیں ہیں، وہ تو احکاماتِ خداوندی کو اس درجہ میں زندہ کرنے یا محفوظ رکھنے کے لیے ہیں، جس درجے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے یا حضور اکرم ﷺ نے عملاً اس کی تعلیم دی ہے۔ تو اگر دینداری کے لیے محنت کرنے سے بھی دینداری میں غفلت اور سستی کا مظاہرہ کریں گے تو محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے اور محنت کا اثر کہاں پڑے گا؟ لہٰذا آئندہ چند سطروں میں قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ اور احوالِ صحابہ سے چند نمونے زیبِ قرطاس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو نماز کا اہتمام کرنے والا بنا دے۔

قرآن کریم اور احادیثِ مبارکہ میں نماز کی اہمیت:

سورۃ المؤمنون کی پہلی اور دوسری آیت ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: تحقیق کامیاب قرار پائے ایمان والے، جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

اور آیت نمبر ۹ میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

ترجمہ: اور جو اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں۔

دونوں آیتوں کے درمیان میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کی دیگر صفات بیان فرمائی ہیں، بقول مفتی محمد شفیعؒ:

''ان اوصاف کو شروع بھی نماز سے کیا گیا اور ختم بھی نماز پر کیا گیا۔ اس میں اشارہ ہے کہ اگر نماز کو نماز کی طرح پابندی اور آداب نماز کے ساتھ ادا کیا جائے تو باقی اوصاف اس میں خود بخود پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن، مفتی محمد شفیعؒ: ۶/۲۹۹)

حضور ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ کو بھی نماز کا تابع بنا کر پیش کیا اور اپنی امت کو بھی نماز کی پابندی کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ:

(۱)......عبداللہ بن قرطؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندہ کے ساتھ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اگر نماز اچھی ہوئی تو باقی اعمال بھی اچھے ہوں گے اور اگر نماز خراب ہوئی تو باقی اعمال بھی خراب ہوں گے۔

(منتخب احادیث، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، بحوالہ الطبرانی فی الاوسط، ولا بأس باسنادہ ان شاء اللہ ، الترغیب: ۲/۲۴۵)

(۲)......ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اپنے ساتھ عہد کیا ہے کہ جو (میرے پاس) اس حال میں آئے کہ ان نمازوں کو اپنے وقت پر پڑھنے کا اہتمام کیا ہو تو میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جس نے ان (نمازوں) کا اہتمام نہ کیا ہو تو اس کا میرے اوپر کچھ ذمہ داری نہیں (چاہے معاف کروں چاہے سزا دوں)۔

(ابوداؤد، باب المحافظة علی الصلوات، رقم: ۴۳۰)

پہلی حدیث کے مطابق نماز کی صحت پر سارے اعمال کی صحت کا وعدہ ہے اور نماز کے بگڑنے سے سارے اعمال بگڑنے کی وعید ہے۔ دوسری حدیث کے مطابق نماز کے اہتمام کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری میں داخل ہو کر جنت میں داخل ہونے کی نوید ہے۔

اب یہ دونوں باتیں یعنی نماز کی صحت اور نماز کا اہتمام اصل چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ''نماز پڑھنے'' کا نہیں بلکہ ''اقامتِ نماز'' کا حکم بار بار دہرایا ہے اور اقامتِ نماز میں نماز کے فرائض اور واجبات سے لے کر مستحبات اور آداب تک ساری چیزیں داخل ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

'' اِنَّ تَسوِیة الصفوفِ من اِقامة الصلوٰة ''

ترجمہ: یعنی بے شک صفوں کا سیدھا کرنا اقامتِ نماز میں داخل ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس ''اقامتِ نماز'' کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اس کا ایک حصہ صفوں کا سیدھا کرنا بھی ہے، تو جب اس قسم کے آداب یعنی صفوں کا سیدھا کرنا ''اِقامتِ نماز'' میں داخل ہے تو نماز کو مستحب اوقات میں پڑھنا، اس کے لیے دنیوی کاموں کو آگے پیچھے کرنا، دینی کاموں کو نمازوں کے اوقات سے ترتیب دینا، نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کا لحاظ کرنا وغیرہ کام کیونکر ''اِقامتِ نماز'' میں داخل نہیں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمازوں پر جتنے وعدے یا وعید آئے ہیں، وہ نماز کی پابندی کرنے یا نہ کرنے پر ہیں۔ لہذا ہم سب اپنی زندگی نماز کے مطابق گزارنا شروع کریں۔ مثلاً کہیں جانے اور سفر شروع کرنے سے پہلے نمازوں کا سوچ لیں کہ میری کون سی نماز کون سی جگہ آئے گی، جسے میں باجماعت پڑھ سکوں۔ اگر نماز باجماعت میں تھوڑا وقت رہتا ہے تو جلدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اطمینان سے نماز باجماعت پڑھ لیں، پھر اپنا سفر شروع کریں، کیونکہ اگر آپ نے راستے میں نماز کے لیے ٹھہرنا ہے تو اس کے لیے بھی تو وقت نکالنا ہے۔

دینی خدمت گزاروں کے نام اہم پیغام :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب فضائل اعمال میں مؤطا امام مالک کے حوالے سے نقل فرمایا ہے:

”اِن عمر بن الخطاب كتب إلى عماله إن أهم أموركم عندي الصلوٰة من حفظها أو حافظ عليها حفظ دينه ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع.“

ترجمہ: حضرت عمر بن الخطابؓ نے اپنے عاملوں (گورنروں) کو (ایک خط) لکھا کہ تمہارے سب کاموں میں میرے نزدیک سب سے اہم نماز ہے، جو شخص اس کا اہتمام کرے وہ اپنے دین کی حفاظت کرے گا اور جو شخص اس (نماز) کو ضائع کرے تو وہ نماز کے علاوہ (دینی دیگر امور) کو زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کے اس سبق آموز خط سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے ہاں نماز کا کس قدر اہتمام تھا اور کس قدر نماز کی اہمیت ان کے اذہان میں بیٹھ چکی تھی کہ سارے امورِ دینیہ کی درستگی کا معیار نماز کو بنایا۔ حضرت عمرؓ کے اس خط سے دین کے سارے خدمت گزاروں کے ہاں یہ پیغام جاتا ہے کہ وہ ہر حال میں نمازوں کا سب سے زیادہ اہتمام کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اپنی دینی محنت یا خدمت کی وجہ سے نماز کو اپنے مستحب وقت سے نکالا جائے یا جماعت کا اہتمام نہ کیا جائے یا نماز کے خشوع وخضوع میں کمی لائی جائے اور اس کمی وکوتاہی کو دینی محنت کے سر باندھا جائے، کیونکہ کوئی بھی شخص یہ دعوی نہیں کرسکتا کہ وہ حضرت عمرؓ سے زیادہ کسی دینی محنت میں مصروفِ عمل ہے۔

تو جب حضرت عمرؓ لاکھوں مربع میل پر اسلامی حکومت چلاتے ہوئے خود بھی نماز کا اس قدر اہتمام فرماتے ہیں اور اپنے عاملوں کو بھی نماز کا اس قدر پابند بناتا ہے تو ہماری کونسی دینی خدمت ہمیں نماز (خصوصا باجماعت نماز) سے روک سکتی ہے یا ہمیں خشوع وخضوع میں رعایت دے سکتی ہے یا سنن ومستحبات کی پابندی سے ہمیں چھڑا سکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ارشاد ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ کل اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہو کر ملے تو ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے، جہاں سے اذان ہوتی ہے (مسجد مراد ہے)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کے لیے ایسی سنتیں جاری کی ہیں جو کہ سراسر ہدایت ہیں۔ (فضائل اعمال، للشیخ زکریاؒ، بحوالہ مسلم وابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس گیا (وہ بے ہوش تھے)

ان کے اوپر کپڑا پڑا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا: آپ لوگوں کی ان کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ان لوگوں نے کہا: جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ میں نے کہا: آپ لوگ انہیں نماز کا نام لے کر پکاریں (نماز کا نام سنتے ہی ہوش میں آجائیں گے) کیونکہ نماز ایسی چیز ہے، جس کی وجہ سے یہ سب سے زیادہ گھبرائیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! جو آدمی نماز چھوڑ دے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ پھر حضرت عمرؓ نے نماز پڑھی اور ان کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔

(حیاۃ الصحابہ، بحوالہ الطبرانی فی الاوسط)

جن صحابہ کے ایمان کو ہم اپنے لیے معیار مانتے ہیں، اللہ کرے کہ عملی زندگی خصوصاً نماز میں بھی ہم ان کو مقتدا مان لیں اور ان کی طرح نماز میں خشوع وخضوع کا اہتمام کرنے والے بن جائیں۔

دینی ودنیوی پریشانیوں کے حل کے لیے عمل

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ باہر نکلا، اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا، آپ ﷺ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا جو بہت شکستہ حال اور پریشان تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگ دستی نے میرا یہ حال کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں چند کلمات بتاتا ہوں، وہ پڑھے گا تو تمہاری تنگ دستی جاتی رہے گی۔ وہ کلمات یہ ہیں:

تَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِیْ لا يَمُوْتُ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا. (مجمع الزوائد)

اس کے کچھ عرصہ بعد پھر آپ ﷺ اس طرف تشریف لے گئے تو اس صحابی کو اچھی حالت میں پایا۔ آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ اس نے عرض کیا کہ جب سے آپ ﷺ نے مجھے یہ کلمات بتلائے ہیں، میں پابندی سے ان کلمات کو پڑھتا ہوں، جس سے اللہ تعالیٰ نے خوشحالی عطا فرمائی۔ (معارف القرآن)

﴿اسلامی زندگی﴾

شعائرِ اسلام اور سنن انبیاء علیہم السلام

جناب غلام عباس صاحب

مسواک کرنا:

۱۔ مسواک کی فضیلت حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہے۔مسواک کرنے میں بڑی خیر و برکت ہے۔مطلقاً مسواک کرنا سنت ہے،خاص طور پر وضو کے وقت۔

۲۔ مسواک پیلو کے درخت کی ہونی چاہیے،اس کے علاوہ کڑوے درخت،مثلاً نیم وغیرہ کے بھی بہتر ہے۔

۳۔ مسواک کی موٹائی چھوٹی انگلی کے برابر اور لمبائی ایک بالشت کے برابر ہونی چاہیے،اگر چہ بعد میں استعمال کرنے کی وجہ سے لمبائی کم ہو جائے۔

۴۔ جس کے دانت نہ ہوں تو انگلی سے مسوڑھوں کو صاف کر لیا جائے۔

۵۔ مسواک کے بہت سارے فوائد ہیں،ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مسواک کرنے والے کو موت کے وقت کلمہ شہادت نصیب ہوگا۔مسواک وضو کرنے سے پہلے،مجلس میں حاضر ہونے سے پہلے کر لینی چاہیے۔اس طرح گھر میں داخل ہونے سے پہلے بھی مسواک کر لینی چاہیے،کیونکہ اس سے منہ میں خوشبو پیدا ہوتی ہے،جس سے گھر والوں کے ساتھ حسنِ معاشرت میں اضافہ ہوتا ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

مونچھوں کا کٹوانا:

مونچھوں کا کٹوانا سنت ہے۔حضورِ اقدس ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

”وَمن لم یأخذ من شاربه فلیس منا“.(مشکوٰۃ المصابیح،کتاب اللباس،الفصل الثانی،صفحہ:۳۸۱)

جو مونچھیں کم نہ کرے،وہ ہم میں سے نہیں۔

اس کی مقدار میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مونچھوں کو ابروں کی مقدار برابر کم کردیا جائے۔ پسندیدہ مسلک یہ ہے کہ مونچھیں قینچی سے جتنی باریک ہوسکیں، کروائی جائیں۔ استرے سے کٹوانا بہتر نہیں، اگرچہ بعض حضرات نے استرے سے منڈوانا بھی جائز قرار دیا ہے۔اس طرح مونچھیں بڑھانا کہ ہونٹ نظر نہ آئیں، یہ جاہلوں اور مشرکین کا عمل ہے۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ مونچھیں اس قدر کتروادینی چاہیے کہ ہونٹ صاف نظر آنے لگیں۔(شامی)

داڑھی کا بڑھانا:

۱۔ داڑھی لمبائی میں ایک مٹھی کے برابر ہونا ضروری ہے،اگر مٹھی سے زیادہ ہوتب بھی جائز ہے، بشرطیکہ حدِاعتدال سے نہ بڑھ جائے کہ آدمی عجوبہ نظر آئے۔

۲۔ داڑھی کا رکھنا واجب ہے، جو آدمی ہمیشہ داڑھی منڈوائے، وہ فاسق اور گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہے۔

۳۔ داڑھی کا ہر طرف سے ایک مشت ہونا ضروری ہے۔

۴۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ مشرکین کی مخالفت کرو، داڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔

۵۔ داڑھی کی مقدار کے بارے میں ابن عمرؓ کا فعل مبارک موجود ہے۔جب آپؓ حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لیتے، جو مٹھی سے زیادہ ہوتی، وہ کتروادیتے۔(بخاری: رقم:5892)

ناخن کٹوانا:

۱۔ ناخن کٹوانا سنت ہے۔

۲۔ مستحب یہ ہے کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ناخن، زیرِ ناف بال اور زیرِ بغل بال کاٹے جائیں، وگرنہ پندرہ دن بعد۔ چالیس دن تک ناخن نہ کاٹنے کی صورت میں وعید آئی ہے۔(مسلم:۱/۲۲۲۔شامی:۹/۵۸۳)

۳۔ ناخن بڑھانا رزق میں تنگی کا باعث بنتا ہے۔(فتاوی عالمگیریہ)

نوٹ:

دورِ حاضر میں خواتین میں ناخن بڑھانے کا رواج چل پڑا ہے جو کہ سید الاولین والآخرین ﷺ کے فرمانِ مبارک کی صریح خلاف ورزی ہے۔ جو خواتین کھلم کھلا فرمان مبارک کی خلاف ورزی کرتی ہیں، ان کو اپنے انجام پر نظر رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

۴۔ ناخن جس طرح بھی کاٹے جائیں، سنت ادا ہو جائے گی۔

۵۔ بعض علما نے ایک طریقہ بھی لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرے اور چھوٹی انگلی پر ختم کرے اور پھر بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے شروع کرے اور بائیں انگوٹھے پر ختم کرے اور پھر آخر میں دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا ناخن کاٹے۔

۶۔ بعض حضرات نے جمعہ کے دن ناخن کٹوانے کو مستحب لکھا ہے۔(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

زیرِ ناف بالوں کا کاٹنا:

۱۔ زیرناف بالوں کا مونڈنا سنت ہے، چاہے استرے کے ساتھ ہو یا دوائی کے ذریعے۔

۲۔ اس طرح خصیتین اور پاخانہ کے مقام کے اردگرد بالوں کو صاف کرنا بھی مستحب ہے۔

۳۔ زیرناف اور زیر بغل بالوں کے کاٹنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے، اس سے زیادہ مکروہ تحریمی ہے۔

بغل کے بال صاف کرنا:

بغل کے بالوں کو صاف کرنا بھی سنت ہے۔ روایات میں نتف کے الفاظ بھی آئے ہیں کہ بغل کے بال اُکھیڑے جائیں، اگرچہ استرے سے مونڈنا بھی جائز ہے۔یعنی دونوں صورتیں جائز ہیں، البتہ اُکھیڑنا افضل ہے۔

ختنہ کروانا:

۱۔ ختنہ شعائرِ اسلام میں سے ہے، اگر کسی علاقے کے مسلمان ختنہ ترک کردیں تو حاکمِ وقت پر لازم ہے کہ ان پر جبر کرے۔

۲۔ ختنہ کا مستحب وقت ولادت کے ساتویں دن سے لے کر سات سال تک ہے۔بعض حضرات نے بارہ سال تک بھی لکھا ہے۔

۳۔ اگر کوئی بڑی عمر کا شخص مسلمان ہو جائے تو اس کو بھی ختنہ کرالینا چاہیے، ہاں اگر ختنہ کرنے سے جان کو خطرہ لاحق ہو تو پھر ختنہ نہ کرے۔(فتاوی عالمگیریہ)

پانی کے ساتھ استنجا کرنا:

ا۔ دورِاول میں لوگوں کی غذائیں خشک اشیا ہوتی تھیں، نجاست مخرج سے نکلتے ہی خارج ہوجاتی تھی ،دائیں بائیں نہیں پھیلتی تھی۔اس وجہ سے اُس دور میں اگر صرف ڈھیلے سے استنجا کیا جاتا تو وہ کفایت کرجاتا تھا، تاہم محبوبِ کریم ﷺ کا پسندیدہ فعل ڈھیلے اور پانی سے استنجا کرنا تھا۔

۲۔ دورِ حاضر میں صرف ڈھیلے پر اکتفا جائز نہیں، کیونکہ اس وقت ہماری غذائیں چکناہٹ والی اشیا پر مشتمل ہوتی ہیں، نجاست مخرج سے نکلتے ہی دائیں بائیں پھیل جاتی ہے، لہذا پانی سے اس کا دھونا فرض ہے۔

ناک میں پانی ڈالنا:

ناک سے کبھی کبھار جوریںٹ وغیرہ نکلتی ہے، اگر ناک میں پانی نہ ڈالا جائے تو اس سے ناک میں بد بو پیدا ہوجاتی ہے جو باعثِ کراہت بنتی ہے۔اس وجہ سے ناک میں پانی ڈالنے کا حکم خصوصیت کے ساتھ دیا گیا ہے۔

جوڑوں کا دھونا:

جوڑوں میں عموماً بنسبت دوسرے اعضا کے میل کچیل جمنے کا امکان زیادہ ہوتا ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ جوڑوں کے دھونے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

ملفوظاتِ امام ابو حنیفہؒ

☆ ......فرمایا: اگر دین میں تنگی ہوجانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔جن چیزوں کی بدولت جہنم میں جانے کا خوف ہوسکتا ہے، ان میں سب سے خوفناک چیز فتویٰ ہے۔

☆ ......فرمایا: جب سے سمجھ آئی ہے، میں نے کبھی اللہ تعالیٰ پر جرأت نہیں کی (یعنی مسئلہ بتا کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف نسبت نہیں کی)۔

☆ ...... اگر امام ابو حنیفہؒ کو کسی مسئلہ میں اشکال ہوجاتا اور وہ حل نہ ہوتا تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے: ''یہ کسی گناہ کی وجہ سے ہے جو مجھ سے سرزد ہوا''۔

پھر استغفار شروع کردیتے اور اکثر وضو کر کے کھڑے ہوکر دو رکعت نمازِ توبہ پڑھتے تو مسئلہ حل ہوجاتا۔(ائمہ اربعہ کے دربار میں، محمود اشرف عثمانی: ص ۱۱)

﴿اسلامی زندگی﴾

عظمتِ اسلام

مولانا عیدی امین

دینِ اسلام قانونِ فطرت ہے۔اس کے مطابق زندگی گزارنے سے دنیا میں روتے ہوئے آنے والا ہنستا ہوا واپس جنت کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ انسان کو اللہ رب العزت کی رضا والی زندگی گزارنے کی تعلیم دیتا ہے۔

سلامتی کا علمبردار:

اسلام سے پہلے جتنے بھی ادیان آئے،ان کے نام یا تو انبیائے کرام کے ناموں پر رکھے گئے یا قبیلوں کے نام پر یا جگہوں کے نام پر رکھے گئے۔مثلاً: عیسائیت کا نام ''مسیح'' کے نام پر رکھا گیا،یعنی دین کے نام سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اس سے کسی نبی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔''یہودیت'' کا نام ایک قبیلہ ''جوذہ'' کی نسبت سے ہے۔''جوذہ ازم' وہاں سے یہودی بن گئے۔ گویا یہ لفظ بھی ایک قبیلے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔جبکہ اسلام نہ تو کسی شخصیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور نہ ہی کسی قبیلے کی طرف۔ یہ لفظ ہی انوکھا ہے۔ یہ دین،دینِ فطرت ہے۔دینِ کامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ہی ایسا پسند کیا،جس نام سے اس کی تعلیمات کا پتہ چلتا ہے۔ اسلام تسلیم سے ہے،جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں:

'' أَسْلِمْ تَسْلِمْ ''.

اسلام قبول کر،سلامتی پا جا۔انگلش میں اسے ''Peace'' کہتے ہیں۔اس کا معنی ہے ''امن''۔تو اسلام دنیا میں سلامتی دینے کے لیے آیا ہے،یعنی صحت کی سلامتی، روحانیت کی سلامتی،حقوق اللہ کی سلامتی،حقوق العباد کی سلامتی،حتی کہ اسلام نے ہر چیز کی سلامتی سکھائی ہے۔

جھگڑوں کے دروازے بند کرنے والا دین:

آپ غور کریں کہ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں۔قرآنِ مجید کی

یہ آیات اُتاری گئیں کہ اگر تم کسی کو قرض دو یا اس سے لو تو اسے لکھو۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ﴾(البقرة : ۲۸۲)

اور چاہیے کہ ایک لکھنے والا تمہارے درمیان ایک تحریر دے۔

اس میں طلبہ کے لیے ایک نکتہ ہے کہ جس مال و دولت کی اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں ہے، باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے مؤمن کے اس مال کی حفاظت کی کتنی تاکید فرمائی ہے کہ کہیں ضائع نہ ہو جائے، چوری نہ ہو جائے، کوئی تمہیں دھوکہ نہ دے تو جب مال کا یہ عالم ہے تو دیگر امور، مثلاً روحانیت اور اخلاق کو بچانے کے لیے کتنی تعلیمات دی ہوئی ہوں گی۔ تو لکھنے کا حکم اس لیے دیا کہ معاملات کرتے ہوئے لوگ آپس میں بھائی اور دوست بن کر اعتماد سے کام لیتے ہیں، لیکن یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ جہاں پر بھی مال آتا ہے، وہاں انسان کے اندر شیطان کو داخل ہونے کا ایک راستہ مل جاتا ہے، جس کے ذریعے وہ بھائیوں، بہنوں اور رشتہ داروں کے مابین تفریق ڈال دیتا ہے۔

شریعت میں قیل وقال کی گنجائش نہیں:

جب انسان کلمہ پڑھتا ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی پڑھتا ہے۔ اگر زبان سے نہ بھی پڑھے تو پھر بھی اس بات کا ایمان اور یقین ضرور رکھتا ہے کہ:

"وَقَبِلْتُ جَمِيعَ اَحْكَامِهِ".

کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قبول کر لیا ہے۔ جس طرح نکاح کے وقت خاوند کہتا ہے: "قَبِلْتُ" کہ میں نے بیوی کو اپنے نکاح میں قبول کر لیا، جس کے ساتھ ہی بیوی کی جتنی ضروریات ہوتی ہیں، ان کا پورا کرنا خود بخود خاوند کے ذمہ واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جس نے کلمہ پڑھا اور اس نے "قَبِلْتُ جَمِيعَ اَحْكَامِهِ" کے الفاظ کہہ دیے تو اس کے اوپر پوری شریعت کے احکام پر عمل کرنا لازم ہو گیا۔ اب ہمارے پاس یہ اختیار نہیں ہے کہ ہم یہ سوال کریں کہ شریعت میں ایسا کیوں ہے۔ کیوں والی بات ہی نہ رہی، اس کا پتہ ہی کاٹ کر رکھ دیا۔ ہمارے پاس اختیار ہی نہیں کہ ہم سوال کریں کہ ایسا کیوں ہے؟ نہیں......بس! مالک کا جو حکم ہے ہم نے قبول کر لیا ہے اور اب فقط سر جھکانا ہے۔ ہاں! یہ تو پوچھ سکتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ شریعت نے اس سوال کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ اپنے استاد سے پوچھیے، مفتی صاحب سے پوچھیے، والدین سے پوچھیے، بزرگوں

سے پوچھیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَاسۡئَلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۳﴾﴾(النحل)

اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہلِ علم) سے پوچھیے۔

اسلام میں دل توڑنے کی مذمت :

شریعت نے ہر بندے کو سلامتی دی اور ہر ایک کے حقوق متعین کر دیے۔یہ ایسا سلامتی کا دین ہے ......آپ حیران ہوں گے......کہ درخت کے اوپر پتا ہوتا ہے اگر کوئی بندہ پتے کو بے مقصد توڑتا ہے تو شریعت نے اس کو بھی مکروہ قرار دیا ہے کہ بے مقصد کیوں توڑا۔جس شریعت نے پتے کو بے مقصد توڑنا مکروہ قرار دیا ہو تو پھر کسی انسان کا دل توڑنا کیا قرار دیا ہوگا؟ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر ہم دینِ اسلام پر عمل کرنے والے بن جائیں تو ہم خود بھی سکھ میں رہیں گے اور اللہ کے بندوں کے لیے بھی راحت بن جائیں گے۔

بندہ مومن کی اتنی عظمت :

یہ بات یاد کر لیجیے کہ مؤمن جہاں بھی ہوتا ہے، وہ اللہ کے بندوں کے لیے راحتِ جان بنا ہوتا ہے اور ایمان والوں کے سامنے نرم ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے فرماتے ہیں:

﴿وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ﴾(الحجر:۸۸)

اے محبوب! ایمان والوں کے لیے اپنے کندھے جھکا دیجیے۔

جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو بھی یہ حکم دے رہے ہیں تو ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم اکڑفوں (نمائش، دکھلاوا، تکبر) میں رہتے ہیں۔

باپ بیٹے کی حماقت

ایک بیوقوف باپ نے اپنے بیوقوف بیٹے سے پوچھا: ''ہم نے مسجد الرصافہ میں نمازِ جمعہ کب پڑھی تھی؟ بیٹے نے جواب دیا: ''میں دن بھول گیا ہوں، لیکن اب یاد پڑتا ہے کہ وہ منگل کا دن تھا'' باپ نے کہا: ہاں تو صحیح کہتا ہے، واقعی منگل کا دن تھا۔''

(ابن الندیم، کتاب الدراری: ص ۳۳، بحوالہ لطائف ونوادر)

﴿اسلامی زندگی﴾

اچھی نیند سے محروم کردینے والی عام عادتیں

انتخاب: مولانا امجد علی حقانی

خلیات کی بھی اپنی 24 گھنٹے کی ٹائم لائن ہوتی ہے، اگر وہ ایک ترتیب میں ہو تو ہماری جسمانی گھڑی ذہنی اور جسمانی امراض سے بچانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے اور ہماری نیند کا اس حوالے سے بہت اہم کردار ہوتا ہے جو جسمانی گھڑی کو فعال رکھنے میں مدد دیتی ہے۔ مگر صرف ایک رات کی خراب نیند مختلف امراض کا خطرہ بڑھانے کے لیے کافی ثابت ہوتی ہے، تاہم نیند کی کمی صرف آپ کے کام یا مصروف شیڈول کی وجہ سے نہیں ہوتی، بلکہ کچھ عادات ایسی ہوتی ہیں جو اچھی نیند کو متاثر کرتی ہیں اور حیران کن طور پر یہ ایسی عادتیں ہیں، جن سے بچنا بہت آسان ہے یا لوگ انہیں نقصان دہ نہیں سمجھتے۔ یہاں آپ ان عادات کو جان سکیں گے جو نیند کو متاثر کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

سونے سے قبل سکرین کا استعمال:

یہ ایسی عادت ہے جو آج کے نوجوانوں میں بہت عام ہے، یعنی سونے کے لیے لیٹنے کے بعد اسمارٹ فون، ٹیبلیٹ یا لیپ ٹاپ کا استعمال، مگر اس کے نتیجے میں جسمانی گھڑی کا نظام متاثر ہوتا ہے جو کہ نیند کے سائیکل کو ریگولیٹ کرتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق سونے سے قبل فون یا کسی ڈیوائس کی اسکرین کو دیکھنے سے پتلیاں تیز روشنی سے متاثر ہوتی ہیں، جس کے نتیجے میں نیند میں مدد دینے والی ہارمون میلاٹونین بننے کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، بہتر یہ ہے کہ سونے سے آدھے گھنٹے قبل اسکرینوں کو خود سے دور کردیں۔

سونے کا کوئی معمول نہ ہونا:

جب آپ کے سونے کا کوئی وقت یا معمول طے نہ ہو تو اس سے بھی جسمانی گھڑی کی ترتیب بدلتی ہے اور جسم وائرل انفکشن یا ڈپریشن کا آسانی سے شکار ہونے لگتا ہے۔ طبی ماہرین کے مطابق سونے کے وقت میں تسلسل ہونا چاہئے جو کہ جسمانی گھڑی کے چکر کے لیے ضروری ہے، مگر روزانہ سونے کا وقت بدلنا اس چکر کو

متاثر کر کے نیند کے معیار کو ناقص کرتا ہے، آسان الفاظ میں روزانہ سونے کا ایک وقت ہو اور صبح اٹھنے کا بھی ایک وقت مقرر رہو۔

سونے کے کمرے میں بے ترتیبی :

ہوسکتا ہے کہ آپ یہ جان کر حیران ہوں کہ جس کمرے میں آپ سوتے ہیں، وہ بھی اچھی نیند کے حصول میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ بستر کے اردگرد بے ترتیبی یا سامان کا بکھرا ہونا دماغ کو بھٹکاتا ہے، جس سے سونا مشکل ہوجاتا ہے۔

سونے سے کچھ دیر پہلے ورزش:

اگرچہ ورزش سونے کے معمولات میں مدد دیتی ہے، مگر اسے سونے سے کچھ دیر پہلے کرنا مسائل پیدا کرسکتا ہے۔طبی ماہرین کے مطابق سونے کے وقت سے 2 سے 3 گھنٹے پہلے ورزش کرنے سے گریز کریں، کیونکہ یہ دماغ کو متحرک کرتی ہے، مگر روزانہ ورزش ضرور کریں، چاہے 20 منٹ کی چہل قدمی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہ سونے میں مدد دیتی ہے۔

سونے سے کچھ دیر قبل کھانا :

سونے سے کم ازکم 3 سے 4 چار گھنٹے پہلے کھانا تناول کرنا چاہیے۔طبی ماہرین کے مطابق سونے کے وقت سے کچھ دیر پہلے کھانا بھی نیند کو متاثر کرسکتا ہے، کیونکہ کھانے کے بعد معدے میں تیزابیت حرکت میں آتی ہے اور اس دوران سونے کے لیے لیٹنے سے وہ تیزابی اثرات گلے میں محسوس ہونے لگتے ہیں، جس سے نیند اڑ جاتی ہے۔

بہت تاخیر سے سونے کے لیے لیٹنا :

طب کی موافقت یہ ہے کہ عشا کی نماز پڑھنے کے بعد سویا جائے اور فجر کی نماز کے لیے جاگ جائیں۔رات گئے سونا صحت پر منفی انداز سے اثر انداز ہوتا ہے۔جسمانی گھڑی روشنی اور تاریکی کو اپنے سائیکل کے لیے استعمال کرتی ہے، مگر جب تاریکی کو نظرانداز کیا جائے تو جسم کے اس قدرتی ردھم کو نقصان پہنچتا ہے۔

نیند کی کمی تعطیل پر پوری کرنے کی عادت:

اکثر افراد پورے ہفتے نیند پوری نہیں کر پاتے اور وہ اس کمی کو ہفتہ وار تعطیل میں پورا کرنے کی کوشش

کرتے ہیں،مگر یہ عادت صحت کے لیے زیادہ فائدہ مند نہیں، بلکہ جسم کی نیند کے چکر کے لیے تباہ کن ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر آپ اتوار کو بستر پر دوپہر تک لیٹے رہتے ہیں تو اس رات کو بستر پر کروٹیں بدلتے رہیں گے۔

سونے سے بالکل پہلے دانت صاف کرنا:

یقیناً رات کو دانتوں پر برش کرنا چاہیے،مگر یہ کام سونے سے چند منٹ پہلے کرنے سے گریز کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے دماغ پر چھائی غنودگی دور ہوجاتی ہے،جبکہ ٹوتھ پیسٹ میں موجود پودینے کا ذائقہ بھی اس احساس کو بڑھادیتا ہے تو سونے سے ایک یا آدھا گھنٹہ پہلے یہ کام کرنا بہتر ہے۔البتہ مسواک کرنا الگ چیز ہے، جسے عین سونے کے وقت بھی کرسکتے ہیں، بلکہ کرنا سنت ہے،اس لیے کہ مسواک میں برش کی طرح سختی اور ٹوتھ پیسٹ کی طرح کیمیکل نہیں ہوتے۔

درد کش ادویات کا استعمال:

یہ حیران کن نہیں کہ درد نیند کو مشکل بنادیتا ہے،مگر اسے دبانے کے لیے سونے سے کچھ دیر قبل درد کش گولیاں نگل لینا بھی کوئی اچھی حکمت عملی نہیں، کیونکہ اس سے نیند کا معیار خراب ہوتا ہے۔(بشکریہ روزنامہ اسلام،۲/اگست ۲۰۲۲ء)

نظرِ بد لگنا

اشعب کے زمانے میں ایک عورت تھی،جس کے متعلق مشہور تھا کہ اس کی نظر بہت لگتی ہے، وہ جب بھی کسی چیز کو اپنی نظر سے اچھا دیکھتی تو اسے نظر لگ جاتی ،ایک دن وہ اشعب کے پاس گئی، اشعب اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔اشعب نے اس سے کہا:''اگر تجھے میری کوئی بھی چیز اچھی لگ رہی ہے تو تو نبی کریم ﷺ پر درود پڑھ''اس نے کہا:''تو زندگی کے آخری سانس گن رہا ہے، بھلا تیری کون سی چیز مجھے اچھی لگے گی؟''اشعب نے کہا:''مجھے اپنی حالت خوب معلوم ہے، لیکن میں نے یہ بات اس لیے کہی ہے، کہیں تجھے میرے مرگ کی خفّت اور جان کنی کی سہولت بھلی نہ نظر آئے اور تیری نظر لگے اور میں سختی میں مبتلا ہوجاؤں'' عورت اشعب کو گالیاں بکتی باہر نکل گئی، حاضرین کے قہقہے لگے،اس دوران اشعب کی روح پرواز کرگئی۔(لطائف ونوادر:ص ۲۸۴)

﴿دینی مدارس﴾

معاشرہ کی تعمیر میں دینی مدارس کا کردار

تحریر: مفتی محمد اسماعیل نیاز

اسلامی مدارس حفاظتِ دین کے قلعے اور علومِ اسلامیہ کے سرچشمے :

دینی درسگاہوں کا اصل موضوع علومِ کتاب وسنت ہیں۔ انہی علوم کی افہام وتفہیم اور تعلیم وتعلم کے ذریعے ایسے رجال کار پیدا کرنا ہے جو اس تسلسل کو قائم رکھ سکیں اور علمی وعملی کسی بھی میدان میں پوری امت کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔

ماضی قریب میں ان تعلیم گاہوں نے اس عظیم امانت کی حفاظت اور اس قابل صد فخر وراثت کو اگلی نسلوں تک منتقل کرنے میں جو نمایاں کردار ادا کیا ہے، وہ ہماری علمی وثقافتی تاریخ کا ایک زریں باب ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف اپنے وپرائے سبھی کرتے ہیں اور آج کے انتشار پذیر اور مادی فروغ کے دور میں بھی یہ اسلامی مدارس اپنے وسائل وذرائع کے مطابق مصروفِ عمل ہیں اور ملتِ اسلامیہ کی اولین واہم ترین بنیادی ضرورت کی کفالت کررہے ہیں۔ اس سچائی سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کفر وشرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے اور مذہب بیزاری کے اس ماحول میں اسلامی تہذیب وثقافت اور دینی رسوم وعبادات کے جو روشن آثار نظر آرہے ہیں، وہ انہیں دینی درسگاہوں کی خدمات کا ثمرہ ہے۔

مدارس کی تاریخ اور وطنِ عزیز :

یہ ایک ایسی درخشندہ اور تابناک تفصیل ہے، جس کی ضیا پاش کرنوں سے تاریخ کا ہر صفحہ منور ہے۔ اہلِ نظر آگاہ ہیں کہ مدارس کی تاریخ اُس ''صفہ نبوی'' سے جڑی ہوئی ہے، جہاں سے دنیا کو انسانیت کا درس ملا تھا۔ پوری دنیا میں جس مدرسہ کی بنیاد سب سے پہلے پڑی تھی، وہ رحمۃ للعالمین کی سرپرستی میں صفہ کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ رحم جس کا کام، سلامتی جس کا اعلان اور تحفظ جس کا نظام تھا۔ اس روشنی سے جلا پانے والے

ہزاروں مدارسِ دینیہ گزرے دور سے لے کر آج تک اسی اساس پر قائم ہیں۔

دنیا کے تمام مدارس اسی سرچشمہ سے فیض یاب ہوتے ہیں اور اسی کے پیغام کو عام کرتے ہیں۔ مدارسِ دینیہ نہ صرف تعلیم گاہ ہیں، بلکہ تربیت کی بھی آماجگاہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ پر سرسری نظر ہی یہ بتا سکتی ہے کہ مدارسِ اسلامیہ سے کیسے کیسے مردانِ کار نکلے اور انھوں نے سماج کو کن خوبیوں سے آراستہ کیا۔ ماضی کے دریچے سے اگر دیکھا جائے تو زندگی کے میدان اور مختلف علوم وفنون کے لیے ماہرین انہیں دینی مدارس سے فراہم ہوئے۔

اگر ہم اپنے ملک کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہاں بھی منظر نامہ اس سے علاحدہ نہیں۔ عہدِ سلطنت سے لے کر مغلیہ دور تک اور پھر برطانوی سلطنت کے زمانہ تک یہی دینی مدارس وہ مراکز تھے، جہاں سے سماج کی ہر ضرورت پوری ہو رہی تھی، اس کے مردان کار تیار ہو رہے تھے۔ تعلیم گاہوں کے مسند نشینوں سے لے کر اخلاق و کردار کے معلمین تک، تاجروں اور صنعت کاروں سے لے کر زراعت اور دست کاری کے محنت کشوں تک، غرض سماج کے تمام قسم کے لوگ انہیں مدارس سے تیار ہو کر نکل رہے تھے اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی سماج انہیں افراد سے تشکیل پاتا ہے۔ اگر یہاں افراد صالح تھے تو لازماً سماج صالح بن رہا تھا اور سماج کی صالح تشکیل کا سہرا ان دینی مدارس کے سر بندھ رہا تھا، جہاں سے یہ افراد سماج کو فراہم ہو رہے تھے۔

وطن عزیز میں مدارس اسلامیہ شناخت کے تحفظ کا نمونہ:

وطن عزیز پاکستان میں عوامی نذرانوں پر چلنے والے موجودہ شکل کے مدارس کی ابتدائی تحریک کا جائزہ لیجیے کہ کن اسباب ومحرکات کے تحت اس نظام کے حامل مدارس کا آغاز ہوا؟ دراصل اس وقت بھی یہی صورتِ حال تھی کہ دینداروں کے ہاتھوں سے زمامِ اقتدار چھن چکا تھا، سیکولر قوم یہاں کے ہر سیاہ وسفید کی مالک ہو چکی تھی، کلمۂ توحید صرف رسم ہی رہ چکی تھی۔ اگر انہیں مستقبل میں اپنے اور اپنے اس آمرانہ حکمرانی کے بیچ کوئی چیز سب سے بڑی رکاوٹ اور حائل نظر آ رہی تھی تو وہ یہاں کی غیور، باحمیت اور زندہ دل مسلمانوں کی تھی، چونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کی موجودہ خست وذلت سے نکال کر انہیں رفعت وبلندی کے اوجِ ثریا پر کوئی چیز پہونچا سکتی ہے تو وہ ہے ان کا ایمان وایقان اور ان کی دینی حمیت۔

انہوں نے اس کے لیے حکومت کے ماتحت چلنے والے تمام تعلیمی اداروں کے نصاب ونظام میں

حذف واضافہ شروع کردیا،اس نصابِ تعلیم کی تبدیلی اور ترمیم کا راست اثر مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ پر ہورہا تھا، وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار ہوکر بحیثیت قومِ مسلم کے اپنا وجود کھورہے تھے،عین اسی وقت ایک دوراندیش صفت انسان میدان میں نمودار ہوئے، جسے تاریخ میں ''سلیم اللہ خان'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے ان کٹھن حالات میں ''وفاق المدارس العربیہ'' کے نام سے ایک اسلامی بورڈ کے نظامِ تعلیم کو مزید ترقی دے کر اغیار کے راہ میں رکاوٹ ڈال دی۔اس وقت بھی مدارس ومکاتب کی اسی تحریک ہی کے ذریعے اسلام کا بچاؤ ممکن ہوسکا۔

ان کے دین وایمان، اسلامی احکام، اس کے شعائر اور اسلامی شناخت کے تحفظ کا بیڑا ان دینی مدارس ہی نے اٹھایا۔آج یہ حقیقت ایک زندہ مثال کی شکل میں موجود ہے کہ یہاں جو کچھ اسلام کی شادابی اور اس کی رونق موجود ہے، وہ ان مدارس اور اس کے فضلا کی کاوشوں کی مرہونِ منت ہے۔مدارس اور اس کے فضلا نے عوام الناس کا رشتہ اپنے دین سے باقی رکھا۔سماج کی اصلاح کے پروگرام میں مساجد میں جمعہ کے خطبات اور مختلف تقاریب کے موقع پر اصلاحی تقاریر کا بڑا حصہ ہے اور یہ بزم بھی مدارس اور اس کے نونہالوں سے آراستہ رہتی ہے۔

مٹی کے دیے مدارس دینیہ:

جس طرح ایک انسان اپنی زندگی کی بقا کے لیے خوراک اور پوشاک کو ضروری خیال کرتا ہے، اسی طرح ایک حقیقی مسلمان اپنی اسلامی شناخت، تہذیبی خصوصیات اور معاشرتی امتیازات سے وابستگی اور اپنے ملی وجود کی حفاظت کو اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت دیتا ہے، وہ کسی دام پر اپنے ملی تشخص اور اپنے امتیازات وشعائر سے دستبردار نہیں ہوسکتا؛ چونکہ خوراک سے پیٹ اور پوشاک سے جسم کی حفاظت تو ہوسکتی ہے؛ لیکن ایک حقیقی مسلمان کے پاس اس کے پیٹ اور جسم کے ان تقاضوں اور ان مادی ضرورتوں کے علاوہ بھی ایک اہم چیز اور بھی ہے، وہ ہے اس کا دین اور ایمان۔

مسلمان بھوکا تو رہ سکتا ہے، لیکن وہ اپنی تہذیبی خصوصیات سے دستبردار نہیں ہوسکتا، اگر وہ اس دین میں رہے گا تو ﴿ادخلوا فی السلم کافۃ﴾ کے ساتھ اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ۔

آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو بحیثیت ایک ملت کے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، آج ہمارا

دشمن ہمارے ملی وجود اور تہذیبی خصوصیات کو چن چن کر ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، اگر آج اسلام اپنی تمام خصوصیات وامتیازات کے ساتھ نظر آرہا ہے، تو وہ انہیں مدارسِ عربیہ کے زیر احسان، شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی، کچی پکی جو مساجد آباد نظر آرہی ہیں، مختلف تحریکوں کی شکل میں مسلمانوں کی اخلاقی واعتمادی اور معاشی اصلاح کا جو جال ہر سمت بچھا ہوا ہے، یا کسی بھی جگہ دین کا شعلہ یا اس کی تھوڑی سی رمق اور چنگاری سلگتی ہوئی نظر آرہی ہے، وہ انہیں مدارس کا فیضِ اثر ہے۔ اگر ان مدارس کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم موجود ہوتے، لیکن بحیثیت مسلم نہیں؛ بلکہ حیوان نما انسانوں کی تمام درندہ صفت خصوصیات کے ساتھ برائے نام زندگی گزارتے۔

مدارس کی اہمیت و ضرورت اور اہل علم کے اقوال:

مدارس کی اہمیت وضرورت اور مسلم معاشرے پر ان کے احسانِ عظیم کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

''ہم کو یہ صاف کہنا ہے کہ عربی مدرسوں کی جتنی ضرورت آج ہے، کل جب ہندوستان کی دوسری شکل ہوگی تو اس سے بڑھ کر ہوگی، یہ ہندوستان میں اسلام کی بنیاد اور مرکز ہوں گے، لوگ آج کی طرح کل بھی عہدوں اور ملازمتوں کے پھیر اور اربابِ اقتدار کی چاپلوسی میں لگے ہوں گے اور یہی دیوانے آج کی طرح کل بھی ہوشیار رہیں گے؛ اس لیے یہ مدارس جہاں بھی ہوں، جیسے بھی ہوں، ان کا سنبھالنا، اور چلانا مسلمانوں کا سب سے بڑا فریضہ ہے، اگر ان عربی مدرسوں کا کوئی دوسرا فائدہ نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ یہ غریب طبقوں میں مفت تعلیم کا ذریعہ ہیں اور ان سے فائدہ اٹھا کر ہمارا غریب طبقہ کچھ اور اونچا ہوتا ہے اور اس کی اگلی نسل کچھ اور اونچی ہوتی ہے اور یہی سلسلہ جاری رہتا ہے، غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی''۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ ان مدارس کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

''اس وقت مدارسِ علوم دینیہ کا وجود مسلمانوں کے لیے ایسی بڑی نعمت ہے کہ اس سے بڑھ کر متصور نہیں، دنیا میں اگر اسلام کی بقا کی کوئی صورت ہے تو یہ مدارس ہیں''۔ (حقوق العلم: ۱۵)

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ یوں فرماتے ہیں:

"یہی کافی مدارس تھے (علماء اور طلباء کی نسبت مولانا کی خصوصی اصطلاح) جنہوں نے مسلمانوں کے ایک طبقہ کو خواہ ان کی تعداد جتنی بھی کم ہے، اعتقادی واخلاقی گندگیوں سے پاک رکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے"۔ (الفرقان، افاداتِ گیلانی: نمبر ۸۸۱ بحوالہ فتاوی رحیمیہ ۱/۹۴)

مدارس نے معاشرے کو کیا دیا:

ان مدارس دینیہ نے امتِ مسلمہ کو دین کے ہر شعبے میں افراد دیئے ،خواہ عقائد ہوں یا عبادات، معاملات ہوں یا معاشرت، سیاست ہو یا معیشت، غرض ہر میدان میں رجال کار فراہم کیے۔

انہی مدارس نے ہی قوم کو بڑے بڑے اطبا، ماہر انجینیئر ،صنعت کار اور فن حرب کے ماہرین دیے۔ ادبا، شعرا اور خطبا یہیں سے نکلے اور دینی علوم کے ماہرین کا تو کیا کہنا، وہ تو دینی مدارس کی پہچان ہوتے ہیں۔ محدثین، مفسرین، فقہا اور تمام علوم آلیہ وعلوم عالیہ کے ماہرین دینی مدارس کے فیضان ہیں۔

اور آج اس فتنہ پرزور زمانے میں بھی معیشت، اسلامک بینکنگ وغیرہ کئی شعبوں کی نگرانی انہی مدارس کے فیض یافتہ مفتیان کرام سرانجام دے رہے ہیں۔

نسل نو کی بگڑتی صورتحال میں مدارسِ دینیہ کا کردار:

مسلمانوں کی نئے نسل کی اس بگڑتی صورتحال کے پیش نظر اکابر علمائے امت نے اس فکری الحاد کے سامنے بند باندھے اور مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ اور بقا کی خاطر آزاد دینی مدارس کا جال بچھانے کا عزم کیا۔ جو مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے لے کر آج کے ہزاروں دینی مدارس معاشرے کی تشکیل وامن میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

اسلام دشمن عناصر اسلامی پاکستان کے وجود ہی کے منکر ہیں اور پاکستان کی گاڑی کو گھسیٹ گھسیٹ کر سیکولر بنانے کی ہر کوشش کرتے رہتے ہیں، مگر خاص کر ان کا نشانہ پاکستان کے دینی مدارس ہیں، جہاں سے پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کا نعرۂ مستانہ بلند ہوتا ہے۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ دین کی پختہ تعلیم ہی پاکستان کی بقا کا ضامن ہے اور وہ دینی مدرسوں سے فارغ لوگوں کی وجہ سے ممکن ہے۔ مشنری اسکولوں کے فارغ شدہ لوگ جن کا مذہب تو تبدیل نہیں کیا جاتا، مگر ان کی سوچ کا مرکز مکہ ومدینہ کی بجائے واشنگٹن ومغرب کی طرف کر

دیا جاتا ہے، وہ اپنی ہر مشکل کا حل انہیں کی فکر سے حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے رہتے ہیں۔اسی وجہ سے وہ دنیا میں سیکولر حکومتیں قائم کئے ہوئے ہیں، جبکہ مدارس سے فارغ لوگوں کی سوچ کا مرکز مکہ ومدینہ ہے، وہ ہر مسئلے کو اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں اور مشکل کے وقت وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ان نامساعد حالات کے باجود علماء کرام نے دینی وعربی تعلیم کو جاری رکھا، مدارس قائم کیے حکومت کی طرف سے امداد نہ ملی تو مخیّر حضرات کی مدد سے مدارس چلائے، جو الحمد للہ اب بھی پاکستان کے طول وعرض میں چل رہے ہیں، ان کی وجہ سے پاکستان کی مساجد آباد ہیں، ان ہی کی وجہ سے حفاظ تیار ہو رہے ہیں جو اللہ کے کلام کو اپنے سینوں سجائے ہوئے ہیں، ہر رمضان میں پاکستان کے قریہ قریہ میں قرآن سناتے ہیں۔ان ہی کی وجہ سے پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہے، یہ ہی اسلام کے رکھوالے ہیں اور یہ ہی عوام کی دینی راہنمائی کرتے ہیں۔

مدارس اسلام کے قلعے ہیں:

یہ مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔علمائے اسلام کی محنت سے قائم کردہ اسلامی یونیورسٹیاں اسلام کی چھاؤنیاں ہیں، مساجد کے مینار اسلام کے میزائل ہیں، یہ مسلمان قوم کے دل میں اسلام کی نشأہ ثانیہ کا موجب بن رہے ہیں، ان کو ہی دیکھ کر صلیبیوں کے دلوں میں اسلام کا خوف طاری رہتا ہے۔

پاکستانی مدارس دنیا کے لیے رول ماڈل:

یقیناً آج پوری دنیا میں پاکستانی مدارس ایک رول ماڈل کی حیثیت رکھتے ہیں۔اسلامی مدرسوں کی چھان بین اگر کی جائے تو اس میں کوئی تخریب کاری کی تربیت نہیں دی جاتی، نہ ہی کوئی تخریب کار مدرسوں میں زیر تعلیم ہیں، بلکہ خالص قرآن کریم اور احادیث رسول کی تعلیم دی جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی ملکوں کے طالب علم پاکستان میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔2022ء کے سروے کے مطابق تقریبا 57 مختلف ممالک کے طلبہ پاکستان کے دینی مدارس میں زیر تعلیم ہیں۔یہ طالب علم تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے اسلامی ملکوں میں پاکستان کا اچھا امیج پیش کرتے ہیں۔

امسال عید الفطر کے بعد کراچی کے دورے پر تھا، جامعہ بنوریہ عالیمہ کا وزٹ بھی کیا، مہتمم جامعہ مفتی محمد نعمان نعیم صاحب سے ملاقات کے بعد جامعہ میں زیر تعلیم فلپائن، تھائی لینڈ، ملائشیا، انڈونیشیا اور چائنہ

سمیت کئی ممالک کے طلبۂ کرام سے ایک مجلس ہوئی،عربی میں گفتگو جاری تھی،میں نے ان سے وطنِ عزیز پاکستان اور نظامِ تعلیم کے بارے میں اظہارِ رائے کا مطالبہ کیا تو ہر ایک نے فرداً فرداً دینی جامعات کا نظام اور نصابِ تعلیم کی وجہ سے وطنِ عزیز سے دلی محبت کا اظہار کیا۔یہی وہ سرچشمے ہیں،جن سے بیرون ممالک کے طلبہ بھی پیاس بجھانے کے لیے آتے ہیں۔یہی وہ ادارے ہیں،جنہوں نے بیرون ممالک کے طلبہ کو مفت تعلیم کے ساتھ ساتھ رہائش کا انتظام دلوا کر تاریخ رقم کی۔

معاشرے کی اصلاح میں مدارسِ اسلامیہ کا کردار:

اسلام دشمن عناصر اس وقت مسلمانوں پر دو سمتوں سے یلغار کر رہے ہیں۔ایک طرف اعتقادی اور فکری سمت سے وہ مسلمانوں میں اباحت پسندی اور مادیت کی تحریکیں چلا رہے ہیں اور دوسری جانب عملی سمت سے وہ مسلمانوں کو جنسی بے راہ روی اور فحاشی کے سیلاب میں بہا لے جانا چاہتے ہیں۔علما اور مدارس کا وجود ان دونوں یلغاروں کے مقابلے کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو رہے ہیں۔

مدارس کا حیران کن نظام:

مدرسوں کا نظام ایک ایسا نظام ہے جو روزانہ دس لاکھ لوگوں کو روٹی،کپڑا اور رہائش فراہم کرتا ہے، اصلاح معاشرہ کے لیے ہونے والی مختلف کوششوں کا منبع بھی علما اور دینی مدارس ہیں۔دعوت و تبلیغ، وعظ و خطابت،دینی اخبارات و جرائد اور خانقاہوں کا صوفیانہ نظام یہ سب لوگوں کے اصلاحِ احوال میں مصروف عمل ہیں۔ان کا سب سے بڑا فائدہ ہے یہ کہ اسلام کے تشخص کو ہر زمانے میں قائم رکھنے کا ذریعہ ہیں۔تمام نظریاتی اور دینی تحریکوں کے لیے یہی مدارس اور علما کھیپ فراہم کرتے ہیں اور قرآن و حدیث اور اسلامی علوم و فنون سے مسلم معاشرے کے ربط و تعلق کو قائم رکھنے کا واحد سہارا ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال کی قلندرانہ نگاہ مدارس دینیہ کے بارے میں:

شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم علما اور دینی مدارس کی اہمیت سے متعلق کتنی اچھی بات کہہ گئے ہیں:

> ’’ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو،غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہیں مدارس میں پڑھنے دو،اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح

ہوگا جس طرح اندلس میں ہوا۔مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نام ونشان نہیں ملے گا''۔

دینی مدارس سے فارغ التحصیل علما پر اعتراض کا جواب:

پاکستان میں اکثر لوگ یہ فکر کرتے ہیں کہ ایک عالم دین کی تعلیمی قابلیت ایک میٹرک کے طالب علم سے زیادہ نہیں اور ان کا یہ ہمیشہ گلہ رہتا ہے کہ معاشرے میں ہر فیلڈ میں علما کیوں کود پڑتے ہیں؟ لوگ یہ گلہ کرتے ہیں کہ دینی طالب علم کو سائنسی مضامین جس میں بیالوجی، کیمسٹری، ریاضی، انگریزی، وغیرہ بھی پڑھایا جائے، حالانکہ تعلیم کی نفسیات سے آگاہی رکھنے والا یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ آج تعلیم مختلف حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ یونیورسٹی میں کئی کئی فیکلٹیاں اور کلیات بن چکے ہیں۔ضروری نہیں کہ ایک فیکلٹی میں پڑھا جانے والا مضمون دوسری فیکلٹی میں بھی پڑھا جائے۔کوئی حرج نہیں اگر ہم میڈیکل کے طالب علم کو اصول فقہ پڑھادیں۔تب اعتراض ہوتا ہے کہ یہ اس کا میدان نہیں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا سوچتا ہے تو وہ بڑی غلط فہمی میں ہے، وہ سرے سے مدرسے کے نظام اور نصاب سے آگاہ نہیں ہے۔دوسروں کے نقل میں یا استعمار کی سازشوں کی زد میں آکر علماء کرام پر تنقید کرتے ہیں۔ایسے افراد کو یہ علم بھی نہیں ہے کہ دینی مدارس میں داخلہ کی شرائط کیا ہے۔ایسے افراد کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جو طالب علم دینی مدارس میں آتے ہیں، وہ کم ازکم میٹرک پاس ہوتے ہیں، عام لوگوں کی طرح مختلف سکولوں اور کالجوں سے پڑھ کر آتے ہیں اور دینی مدارس میں ایسے طالب علم بھی آتے ہیں، جنہوں نے ایف اے، بی اے، ایم اے، ایم فل حتیٰ کہ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہوتی ہے۔

میٹرک کے طالب علموں کے لیے بعض مدارس میں دوپہر کے بعد اور بعض میں شام کی کلاسیں عصری مضامین کی تدریس کے لیے مخصوص کی ہوئی ہیں، جن میں دوپہر اور شام کو طالب علم کے لیے مختلف مضامین کے لیے کالجوں سے لیکچرار مہیا کرتے ہیں۔بی اے کے بعد ان کو یونیورسٹیوں تک رسائی کا موقع دیتے ہیں۔اور یہی دینی طالب علم مختلف کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ٹاپ پوزیشن حاصل کرتے ہیں۔اس مدرسہ سے اب تک

5 پی ایچ ڈیز اور متعدد ایم فل اور ماسٹرز سکالرز نکلے ہیں۔

مدارس میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ علم تجوید، علم تفسیر، علمِ اصول تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم فقہ، علم اصول فقہ، علم میراث، علم عقائد، علم نحو، علم صرف، علم منطق، علم فلسفہ، علم بلاغت اور زمانہ کی ضرورت کے مطابق بعض دیگر علوم کی تدریس کی جاتی ہے۔

ایک حقیقت:

حقیقت یہ ہے کہ آج جو طلبہ عصری درس گاہوں سے پڑھ کر نکلتے ہیں، ان میں ایک بڑی تعداد دین سے بے بہرہ لوگوں کی ہوتی ہے اور ایک قابل لحاظ تعداد تو دین سے بیزار لوگوں کی ہوتی ہے، اس کی ذمہ داری علماء کرام پر بھی عائد ہوتی ہے۔

انہی عصری درسگاہوں میں بھی علماء کرام ان طلبہ کے عقیدے کی حفاظت کر رہے ہیں، عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی ابتدائی تعلیم کی کنجی بھی ان کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ آج بھی مسلم سماج پر علما کی جو گرفت ہے، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، مساجد کا نظام علما کے ہاتھ میں ہے، مدارس کی بہار ان ہی کے دم سے قائم ہے، بہت سی دینی جماعتوں اور تنظیموں میں وہ قبلہ نما کا درجہ رکھتے ہیں۔

مدارس کے خلاف طنز آمیز جملے::

بعض لوگ مدارس سے تعلق سے ایسے طنز آمیز اور رکیک جملہ بازیوں اور اس قسم کی دریدہ دہنیوں سے بھی گریز نہیں کرتے کہ "یہ مدارس معاشرے پر خیراتی بوجھ کے سوا کچھ نہیں ہیں" گویا یہ اپنے اس طرزِ عمل کے پس پردہ مدارس کے سارے نصاب و نظام ہائے شب و روز کی تگ و دو اور وہاں کی ساری نقل و حرکت کو فرسودہ، نامعقول، غیر نفع بخش اور تضییعِ اوقات باور کرانے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس کے بالمقابل بعض حضرات وہ ہیں جو محض تبلیغی جماعت سے وابستگی اور اس کے طریقۂ کار اور نظامِ عمل پر مکمل کاربند رہنے ہی کو مدارس کے دس بارہ سالہ تعلیمی و تربیتی دورانیہ کے ہم پلہ اور مماثل قرار دے رہے ہیں۔ حالاں کہ مدارس کو ان نوع بہ نوع اور ہمہ اقسام تحریکوں و تنظیموں کے بیچ وہی حیثیت حاصل ہے جو سارے نظامِ فلکی میں کواکب و سیّارات کے مقابل سورج کو ہے کہ ان تمام کی ساری رونق، چمک دمک اور قوت کا اصل منبع اور سرچشمہ یہی سورج ہے۔ آپ آزادیِ

ہند کے بعد کی اصلاحی یا رفاہی کسی بھی تحریک کے بنیادی ڈھانچہ اور اس کے ابتدائی مراحل کا جائزہ لیجیے، اس کا آخری سرا کہیں نہ کہیں انہیں مدارس سے مربوط نظر آئے گا، اس کی زمام اور باگ انہیں مدارس کے فارغ التحصیل علما کے ہاتھوں میں ہوگی یا اس تحریک کے مختلف ادوار میں اس کی ترقی و ترویج اور تقویت کے یہی باعث نظر آئیں گے۔ آج بھی قرآن وحدیث پر گہری بصیرت، علومِ اسلامیہ پر کامل دسترس اور ان علوم کے تئیں وسیع نظر اور دوربیں نگاہ چاہتے ہیں تو وہ انہیں مدارس اور اسی نصابِ تعلیم وتربیت کے زیرِ اثر حاصل ہوگی۔

خدارا:

ان امن پسند لوگوں کا تعلق دہشت گردوں سے مت جوڑیں، دنیا میں متلاشیانِ حق اور جویانِ خیر ہمیشہ کی طرح آج بھی جب ان مدارس میں پہنچتے ہیں۔ تو حق وہدایت، سکون اور اطمینان پا لیتے ہیں۔

حرف آخر اور درد دل:

میں بذات خود ان مدارس دینیہ کے منفی اور مثبت پہلوؤں کی تفصیل میں جائے بغیر...... پندرہ سولہ سال...... سے اتنا جانتا ہوں:

کہ وطن عزیز کی لاکھوں مساجد ان کے دم سے آباد ہیں۔ معاشرے میں دینی اقدار کی کارفرمائی ان کی مساعی سے ہے۔ پانچوں وقت ملک کی فضاؤں میں بکھرنے والی اذانوں کی مشک بو گونج انہی مدارس کی عطا ہے۔ اور دلوں کو دائمی راحتیں بخشنے والے کلام الٰہی کی پرسوز قراءت جس نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تقدیر کو دگرگوں کر دیا تھا، انہی مدارس کا فیضان ہے۔ آپ بے شک نئے ایچی سن، نئے ایڈورڈ اور نئے بیکن ہاؤس بنایئے اور انہیں کروڑوں کے فنڈ دیجئے...... اور بے شک آپ نئے میڈیکل کالجز اور نئے گراؤنڈز کا افتتاح کیجئے، انہیں فنڈ ز دیجیے، لیکن کچے گھروں میں فروکش ان بوریانشینوں کو نہ چھیڑیے، جو...... بخدا...... آپ سے کچھ نہیں مانگتے، صرف دینِ حق کی اشاعت کا حق چاہتے ہیں اور نبوی زندگی کو آپ کے گھروں میں پہنچانے کی خواہش رکھتے ہیں۔

اے اہل وطن! بڑے درد سے کہتا ہوں کہ برقی قمقموں کی چکا چوند سے متاثر ہو کر مٹی کے ان دیوں کو نہ بجھایئے، جن کی ٹمٹماتی لو میں ہماری صدیوں کی روایات دمک رہی ہیں۔ اے کاش ہم قدردان ہوتے! اے کاش اے کاش!!!

دار الافتاء

مفتی حمید اللہ جان

0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

عاق کر دینے سے بیٹا میراث سے محروم نہیں ہوتا

سوال:

جناب مفتی صاحب! ایک آدمی نے اپنے بیٹے سے کسی بات پر ناراض ہو کر اپنے تمام بیٹوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور سب کو گواہ بنا کر اُس بیٹے کو عاق کر دیا، جس سے وہ ناراض تھا اور کہا کہ میرے مال و جائیداد میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ اِس معاملے کے بعد اُس نے اپنے بقیہ بیٹوں کے درمیان اپنی جائیداد کو زبانی طور پر تقسیم کر دیا۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد اس عاق شدہ بیٹے کو میراث میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

سوال میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں:

(۱)......عاق کرنا

(۲)......زبانی طور پر اپنی جائیداد اپنے بیٹوں کے درمیان تقسیم کرنا

پہلی بات:

شرعی اصول کے مطابق میراث ایک جبری حق ہے، جس کو ساقط کرنے کا اختیار شریعت نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی زندگی میں کسی وارث کو عاق کر دینے سے وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا، بلکہ

عاق کنندہ مورث (وراثت سے عاق کرنے والے شخص) کی موت کے بعد یہ حق خود بخود اس کے ورثا کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

الاِرث جبريٌ لا يسقط بالإسقاط .(تكملة ردالمحتار : ١/٦٧٨)

ترجمہ: میراث ایک جبری حق ہے، جو ساقط کردینے سے ساقط نہیں ہوتا.

کسی وارث کو اپنے میراث سے محروم کرنا شریعت میں سخت گناہ ہے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة. (مشكوة : ١/٢٧٢)

ترجمہ: جوشخص اپنے وارث کے میراث کو کاٹ لے (یعنی اس کو میراث سے محروم کرلے)، اللہ تعالیٰ جنت میں سے اس کی میراث کو ختم کردیں گے۔

دوسری بات:

مذکورہ مسئلہ میں چونکہ اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد محض زبانی طور پر تقسیم کی ہے، اس لیے ایسا کرنے کو فقہاءِ کرام نے ہبہ شمار کیا ہے۔ ہبہ کی تکمیل اور قابل اعتبار ہونے کے لیے ضروری ہے کہ موہوبہ شے پر مکمل طور پر قبضہ کیا جائے۔صرف زبانی حد بندی اور تقسیم سے ہبہ تام نہیں ہوتا یعنی جائیداد باپ کی ملکیت سے بچوں کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتی۔علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

وتتمّ الهبة بالقبض الكامل.(الدرالمختار : ٨/٤٩٣)

ترجمہ: ہبہ مکمل طور پر قبضہ کرلینے سے تام ہوجاتا ہے۔

صورت مسئولہ میں باپ کا اپنے بیٹوں کے درمیان زبانی طور پر جائیداد تقسیم کرنے اور ان کو مستقل طور پر قبضہ نہ کرانے سے بیٹوں کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ اس پر باپ کی ملکیت برقرار رہے گی، لہذا باپ کے انتقال کے بعد یہ جائیداد دوسرے مملوکہ اموال کی طرح ترکہ میں سے شمار ہوگی اور تمام وارث اس میں اپنے شرعی حصوں کے مطابق شریک ہوں گے، جس میں عاق شدہ بیٹے کو بھی دوسرے بیٹوں کی طرح مکمل حصہ ملے گا۔

☆☆☆☆☆

﴿بیاناتِ جمعہ﴾

دنیوی اوراُخروی پریشانیوں کاحل

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم ، أما بعد! فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم ، بسم الله الرحمن الرحيم ، قال الله تبارک وتعالیٰ :﴿یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا﴾(الاحزاب : ٧٠)،وعن عقبة بن عامرؓ :قلت یارسول الله! ما النجاة ؟ قال: أملک علیک لسانک ، ولْیَسَعْکَ بیتُک ، وَابْکِ عَلَی خَطِیْئَتِکَ . (الترمذی:2406)

اللہ رب العزت کی حمد وثناء کے بعد جو آیت اورحدیث شریف آپ حضرات کے سامنے پڑھی،اللہ تعالیٰ اس پرعمل کرنے کی توفیق عطافرمائے۔

اللہ تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں:

﴿یَاأَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتقوا الله و قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا﴾(الاحزاب : ٧٠)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرواورسیدھی بات کہا کرو۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ سچ کہنا ہےاورسچ کے علاوہ کچھ نہیں کہنا ہے، کیونکہ یہ زبان آپ کے دخولِ جنت کا ذریعہ بھی بن سکتی ہےاوردخولِ جہنم کا بھی۔لہذا سچ بولو، جھوٹ نہ بولو۔گندی بات نہ کہو۔ہمیشہ جب بولو تو سوچ سمجھ کر بولواور بولنے کے بعدبھی سوچ لیا کروکہ میں نے کوئی غلطی تونہیں کی۔اگر کی ہوتو فوری معذرت کرلیں۔

نیز جوحدیث شریف میں نے آپ کے سامنے پڑھی، اس میں ہے کہ حضرت عقبہ بن عامرؓ نے آپ ﷺ سے پوچھا:''ما النجاۃ ؟'' (یعنی نجات کا کوئی راستہ بتائیں)۔علماءکرام لکھتے ہیں کہ اس سوال کا منشا یہ تھا کہ یارسول اللہ! دنیاوآخرت کی پریشانیوں سے بچنے کا کوئی راستہ بتائیں۔توچونکہ انسان کوجومصیبت

اور پریشانی پہنچتی ہے، وہ اس کے اپنے عمل کی وجہ سے پہنچتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾(الشوریٰ: ۳۰)

یعنی انسان کو جو بھی مصیبت آتی ہے، وہ اس کے اپنے عمل کی وجہ سے ،لیکن سارے گناہوں اور کرتوتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انسان کو نہیں پکڑتا، بلکہ بہت سارے گناہ اللہ تعالیٰ نظر انداز کردیتے ہیں۔

چنانچہ اگر غور سے دیکھا جائے تو تقریباً ہر شخص انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی مختلف مصائب اور پریشانیوں میں مبتلا نظر آتا ہے۔تو جس طرح گناہوں کا بازار گرم ہے، مثلاً رشوت، سود، فحاشی وعریانی، دھوکہ وفریب، جھوٹ وغیرہ کا ہر طرف رواج ہے، اسی طرح مہنگائی، بے روزگاری اور مختلف وبائی اور حیران کن امراض (اللہ ہم سب مسلمانوں کی حفاظت کرے) کی وجہ سے دن بہ دن پریشانیاں بڑھتی جارہی ہیں۔اس وجہ سے اُس صحابی نے سوال کیا: یارسول اللہ ”ما النجاۃ“ ؟ کہ دنیا وآخرت کی پریشانیوں سے کس طرح نکلوں گا؟

صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کے سب سے زیادہ ادب کرنے والے تھے، جیسا کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہوگا کہ اپنی آواز کی تیزی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضری سے ڈرتے تھے کہ کہیں میری آواز نادانستگی میں آپ ﷺ کی آواز سے بلند نہ ہوجائے۔

واقعہ:

پورا واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ﴾(الحجرات: ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اُس کو بلند آواز سے پکارو، جس طرح تم ایک دوسرے کو (بلند آواز سے) بلاتے ہیں ،اس بات سے ڈرتے ہوئے کہ تمہارے اعمال ضائع ہوجائیں اور تمہیں علم تک نہ ہو۔

تو ثابت بن قیسؓ پہلے حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو گھر میں روکے رکھا۔تو آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ سے اُس کے بارے

میں پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ سعد بن معاذؓ نے عرض کیا: وہ تو میرا پڑوسی ہے، لیکن مجھے پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہے۔ اس کے بعد حضرت سعد بن معاذؓ حضرت ثابت بن قیسؓ کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ حضورﷺ آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ تو حضرت ثابت بن قیسؓ نے فرمایا: جب یہ آیت نازل ہوئی، تو چونکہ میری آواز بلند ہے، میں جب بولتا ہوں تو زور سے بولتا ہوں۔ اب جب میں نبیﷺ کے سامنے بات کروں گا تو ظاہر ہے کہ میری آواز بلند ہوگی اور اس کی وجہ سے میرے اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ تو حضرت ثابت بن قیسؓ انتہائی ادب واحترام اور خوفِ خدا کی وجہ سے آپﷺ کی مجلس میں نہیں آتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے اعمال ضائع ہو جائیں اور میں جہنمی بنوں۔ حضرت سعد بن معاذؓ آپﷺ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا۔ آپﷺ نے فرمایا:

" هو من أهل الجنة ".

''کہ وہ تو جنتی ہے''۔

تو یہ ادب واحترام اور تعظیم وتکریم کا تقاضا تھا کہ ایک صحابی آواز کے بلند ہو جانے کے خوف سے مجلس میں نہیں آتے تھے۔

نیز صحابہ کرامؓ ادب کی خاطر آپﷺ سے زیادہ سوالات نہیں پوچھتے تھے، بلکہ اس بات کے منتظر رہتے تھے کہ کوئی دیہاتی آجائے اور وہ آپﷺ سے سوال پوچھے تو ہمیں بھی مسئلہ معلوم ہو جائے گا۔ تو اسی طرح اس صحابی (عقبہ بن عامرؓ) نے بھی آپﷺ سے پوچھا: "**ما النجاةُ؟**" (کہ پریشانیوں سے نکلنے کا کوئی راستہ بتا دیجئے)۔ تو آپﷺ نے جواب میں تین باتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) ......**أَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ**:

اپنی زبان کو کنٹرول کرو۔ یعنی اس کو صحیح استعمال کرو۔ مشہور مقولہ ہے:

" جِرْمُهٗ صَغِيْر و جُرمُهٗ كبير ".

کہ اس کا جسم تو چھوٹا ہے، لیکن اس کا جرم بڑا ہوتا ہے۔ یہ ایسا آلہ ہے کہ اس کا زخم تلوار کے زخم سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ عربی کا ایک مشہور شعر ہے:

؎ **جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامُ   وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ**

ترجمہ: تلوار کا زخم تو بھر جاتا ہے، مگر زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔

اس لیے جب بھی کسی سے بات کریں تو سوچ سمجھ کر بات کریں۔ کسی غریب آدمی کا دل نہ دکھائیں۔ اپنے ڈرائیور، خادم اور نوکر کو حقارت آمیز نگاہ سے نہ دیکھیں، اس کو بُرا بھلا نہ کہیں، کیونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ آپ کی بنسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ مقبول ہو۔ تو زبان کا جرم بہت بڑا ہے، اس کو صحیح استعمال کیا کرو۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

" **وهل يكبّ الناس على وجوههم إلا حصائد ألسنتهم** ".(سنن الترمذي)

لوگوں کی کرتوتوں ہی کی وجہ سے وہ جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے۔

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

" **مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيِيه وما بين فخذيه أضمنْ له الجنة** ".(بخاري)

ترجمہ: جو شخص مجھے جبڑوں کے مابین والی چیز (زبان) اور رانوں کے مابین والی چیز (شرمگاہ) کی ضمانت دے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

تو جب دونوں جہانوں کے سردار جناب رسول اللہ ﷺ جنت میں لے جانے کی ذمہ داری اُٹھا لیتے ہیں تو آپ کو بھی چاہیے کہ زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کریں۔ اس کو غلط جگہ استعمال نہ کریں۔ نیز زبان دل کا ترجمان ہوتا ہے، تو دل میں جو کچھ ہو، زبان سے اس کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:

" **إنَّ فِي الْجَسَدِ لَمُضْغَةً إذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وإذا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهُوَ الْقَلْبُ** ".(متفق عليه)

ترجمہ: بے شک انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہو تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے، خبردار! وہ دل ہے۔

دل کے درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا عقیدہ درست ہو۔ بغض، کینہ، حسد، تکبر، نفاق اور کفر وشرک وغیرہ سے آپ کا دل پاک ہو۔ تو جب دل درست ہو تو زبان صحیح استعمال ہوگی۔ لہذا اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ زبان کنٹرول کرنے کے لیے دل کو تمام روحانی بیماریوں سے خالی کرنا اور اچھی صفات (زہد، قناعت، حیا، تقوی اور ایمان وغیرہ) سے مزین کرنا بھی ناگزیر ہے۔ کسی پر غصہ نہ کریں، بلکہ اس پر قابو

پانے کی کوشش کریں، کیونکہ حدیث میں ہے:

"ليس الشديد بالصرعة ،إنما الشديد الذي يملك نفسه عند الغضب". (مشكل الأثار للطحاوي)

ترجمہ: طاقتور وہ شخص نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے، بیشک پہلوان وہ شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔

نیز غصہ تکبر کی علامت ہے، کیونکہ عموماً غصہ اپنے ماتحتوں پر ہوتا ہے۔

پس زبان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔تو اس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، اس کا شکر ادا کریں۔ ہر نماز کے بعد ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمدللہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ **"لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ ولَهُ الْحَمْدُ يُحْيِ وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ".**

کا ورد کرلیا کریں ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادیں گے، اگرچہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

نیز حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ على اللسان ، ثَقِيْلَتَانِ فِيْ الْمِيزانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ". (بخاری)

ترجمہ: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر بڑے ہلکے ہیں، میزان میں بڑے وزنی ہیں اور رحمان کو بڑے محبوب ہیں وہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ" ہیں۔

تو یہ جو دو کلمے ہیں، ان کا پڑھنا آسان ہے، ترازو میں بھاری ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ لہذا ان کلمات کا ورد کرلیا کرو۔

یہ پہلی بات تھی جو آپ ﷺ نے عقبہ بن عامرؓ کو جواب میں ارشاد فرمائی کہ زبان کو کنٹرول کرو۔

(۲)...... وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ:

یعنی اپنے گھر کو لازم پکڑو۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ تر وقت گھر میں، مسجد میں اور کام کاج کی جگہ میں گزارو۔ بلاضرورت بازاروں میں اپنے اوقات ضائع مت کرو۔

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ضرورت کے وقت بازار جایا کرو، ضرورت پیدا کرنے کے لیے بازار مت جاؤ، کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چلو بازار چلتے ہیں، اگر کوئی چیز پسند آئی تو خرید لیں گے، اس طرح نہ کریں اور نہ یہ کہ چکر لگانے کی غرض سے بازار چلے جاؤ، کیونکہ بازار تو گناہوں کے اڈے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أحبّ البلاد إلى اللّٰه مساجدها وأبغض البلاد إلى اللّٰه أسواقها". (مسلم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین جگہیں اُس کی مسجدیں ہیں اور بدترین جگہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں بازار ہیں۔

لہٰذا اگر ضرورت نہ ہو تو ضرورت پیدا کرنے کی غرض سے بازار مت جائیں، بلکہ اپنے گھر یا مسجد میں رہیں، البتہ کاروباری حضرات کی چونکہ ضرورت ہوتی ہے، اس لیے ان کے لیے بازار جانے میں کوئی قباحت نہیں، تاہم گناہوں سے اپنے آپ کو بچانا ان پر بھی لازم اور ضروری ہے۔

(۳)...... **وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ** :

اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"عَیْنَانِ لَاتَمَسُّهُمَا النَّارُ، عَیْنٌ بَکَتْ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰه، وعین باتت تحرس في سبیلِ اللّٰهِ. (رواه الترمذي)

ترجمہ: دو آنکھیں ایسی ہیں کہ جہنم کی آگ انہیں نہیں چھوسکتی، ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے آنسو بہائے اور دوسری وہ آنکھ ہے جو اللہ کے راستے میں پہرہ دینے کے لیے پوری رات جاگتی رہے۔

تو اپنے گناہوں پر رویا کرو، کیونکہ انسان ہے ہی گناہ گار، تو توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے، لیکن یہ توبہ صرف زبان کی حد تک نہ ہو، بلکہ دل سے گناہوں پر ندامت بھی ہو۔ اگر آپ کے ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے اور دل گناہوں سے بھرا ہوا ہے، سود جیسی حرام کاری اور خواہش پرستی میں مبتلا ہے تو اس توبہ سے کیا حاصل ہوگا؟

توبہ اور استغفار کے لیے چند شرائط ہیں:

(۱) گزشتہ گناہوں پر ندامت ہو۔

(۲) جس گناہ میں مبتلا ہے، اس کو فوراً چھوڑ دے۔

(۳) آئندہ کے لیے ترکِ گناہ کا عزمِ مصمم ہو۔

حکایت:

حضرت حسن بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت علاقے میں قحط سالی ہے، بارش نہیں ہوتی، کیا کریں؟ فرمایا: استغفار کرو۔ دوسرا آدمی آیا اور پوچھا: حضرت! میری اولاد نہیں ہے؟ کیا کروں؟ فرمایا: استغفار کرو۔ تیسرا آدمی آیا اور پوچھا: حضرت! میں تنگ دست ہوں، مال ودولت نہیں ہے، کیا کروں؟ آپؒ نے فرمایا: استغفار کرو۔ تو حضرت بصریؒ سے اس کے شاگردوں میں بعض نے پوچھا کہ حضرت! سوال مختلف تھے اور آپ نے سب کو ایک ہی جواب دیا؟ تو آپؒ نے جواب میں یہ آیات تلاوت کیں:

﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا﴿۱۱﴾ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا﴿۱۲﴾ (نوح)

ترجمہ: چنانچہ میں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے مغفرت مانگو، یقین جانو وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا اور تمہارے مال اور اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغات پیدا کرے گا اور تمہاری خاطر نہریں مہیا کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق اور اس کو قتل کرنا کفر ہے!!

عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ: سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (سنن ابن ماجة، كتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مؤمن کو گالی دینا اور برا بھلا کہنا فسق اور اس کے ساتھ قتل وقتال کرنا کفر ہے۔

﴿بزم طلبہ﴾

زرا غور کیجیے!

متخصص:شہزاد مفتی حقانی

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ جو اس امت کے تمام لوگوں کے لیے سراپا شفقت اور نہایت مہربان تھے۔ان سے کسی کا معمولی غم برداشت نہ ہوسکتا تھا، یہاں تک کہ ان کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ ﷺ نے بہت زیادہ غم کا اظہار کیا، اپنی امت کے لیے دن رات دعائیں مانگیں۔مشہور روایت کے مطابق عرفات میں کئی گھنٹوں تک اپنی امت کے لیے دعائیں کیں، اُسی پیغمبر پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تمہاری اولاد سات سال تک پہنچ جائے تو انہیں نماز پڑھنے کی تلقین کرو، یعنی ان کو نماز سکھلاؤ اور اس کی پابندی پر توجہ مرکوز کرو۔اور جب وہ دس سال تک پہنچ جائے اور پھر بھی نماز نہ پڑھے تو ان کو مارو، اگرچہ سر، چہرہ وغیرہ پر مارنے سے منع کیا گیا ہے۔اس ضرب (مارنے) کا مقصد یہ ہے کہ وہ نماز کے عادی بن جائیں اور اس کے بعد کبھی چھوڑنے کی جسارت نہ کریں۔(سنن ابی داؤد، جلد۱، صفحہ۲۴۲، رقم الحدیث: ۴۹۵، مکتبہ البشریٰ)

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ شریعت نے تو بندوں کو مکلّف بنایا ہے کہ جب وہ بالغ ہوجائے اور بلوغت سے پہلے ان پر شریعت کے احکامات جاری نہیں ہوتے، یعنی اللہ اُن سے نماز، روزہ وغیرہ کے متعلق نہیں پوچھے گا تو پھر اتنی شفیق ذات نے ان کو مارنے کا حکم کیوں دیا؟ خوب غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ اصل میں اللہ کا رسول ﷺ ان کے اندر طاعات کی عادت کو راسخ کرنا چاہ رہے ہیں، تاکہ ان کے اندر نیک اعمال راسخ ہوجائیں، کیونکہ یہی عمر ہے کہ وہ جن اعمال کو دیکھے گا، اپنائے گا، وہی اس کے اندر راسخ ہوجائیں گے، چاہے وہ نیک اعمال ہوں یا برعکس۔جیسا کہ کسی بچے نے اس عمر میں کسی عمل کو شروع کیا تو اس کا نکلنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں پشتو کے ایک ضرب المثل میں کہا جاتا ہے کہ ''پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ سکتا ہے، لیکن عادت تبدیل نہیں ہوتی۔''

ان باتوں کو بطورِ تمہید ذہن میں رکھیں، اب مقصود کی طرف آتے ہیں:

چند دنوں پہلے میڈیا پر ایک تصویر گردش کررہی تھی، جن پر بہت سے لوگوں نے مختلف تجزیے

کیے۔اس تصویر میں دو مسلمان عورتیں تھیں،جنہوں نے پورا شرعی لباس پہنا تھا اوران کے ساتھ ایک بچی تھی، جس نے مغربی لباس یعنی سکرٹ اورآدھی بنیان پہنی تھی،اسی تصویر کے ساتھ لکھا گیا تھا کہ یہ تصویر 1920 کی ہے جواَب بوسنیا کے ایک مشہور بازار میں لی گئی ہے۔ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ آج پوری ایک صدی گزر گئی اور پورے بوسنیا میں بمشکل کوئی ایک عورت باپردہ ملے گی۔وہاں کی عام حالت یہ ہوچکی ہے کہ تمام مسلمان پردہ سے عاری ہوچکے ہیں،آپ کے بچوں کا لباس کل ان کی زندگی کا جز ہوگا۔بڑے ہونے کے بعد اس کی تبدیلی پر وہ عار محسوس کریں گے۔

اس لیے ہمیں ابھی سے ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے کہ وہ کیا پہن رہے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں وغیرہ۔اگر آپ ان چیزوں پر توجہ نہیں دیں گے تو پھر آپ کسی اور تہذیب کے لیے بچے پال رہے ہیں۔

یہ ایک سوال اُٹھایا جاتا ہے کہ بچوں کا اسلامی لباس میسر نہیں۔تو ضروری تو نہیں کہ آپ انہیں بازاری کا لباس پہنائیں، بلکہ کسی درزی یا درزن سے ان کے لیے شرعی لباس بنوا سکتے ہیں۔یہ سارے بہانے کل آپ کے لیے افسوس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔

ہم سب کو اس قیمتی اساسے کی فکر کرنی چاہیے۔یہی بڑے ہوکر مسلمان معاشرہ بنائیں گے اور مسلمانوں کا سہارا بنیں گے،اگر ان کا یہ حال رہا تو ان سے امیدیں باندھنا بے کار ہے۔

شریعت نے جہاں اور کئی امور میں والدین کو ذمہ دار بنایا ہے، وہاں اسی چیز پر بھی خوب توجہ دی ہے،اس لیے یہ ہمیں اپنی ذمہ داری سمجھ کر کرنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

تاہم میں ابھی سیر نہیں ہوا

ایک آدمی مچھلی خرید کر اپنے گھر لے آیا اور گھر والوں سے کہا کہ اسے پکاؤ اور خود سو گیا،اس کی بیوی بچوں نے مچھلی پکائی اور ساری خود ہڑپ کر گئے،تاہم مچھلی کا مصالحہ اور تیل اس کے ہاتھوں میں مل دیا،جب وہ بیدار ہوا تو اس نے کہا:''مچھلی لاؤ''انہوں نے کہا''وہ تو تم کھا چکے ہو؟''اس نے کہا:''بالکل نہیں''انہوں نے کہا:''ذرا اپنا ہاتھ تو سونگھو''اس نے ہاتھ سونگھ کر کہا:''تمہاری بات درست ہے،لیکن میں ابھی سیر نہیں ہوا ہوں''۔(لطائف ونوادر:ص۵۳۲)